دیباچہ

سیّد محمد نام اور تخلص اثرؔ تھا۔ خواجہ میر دردؔ کے چھوٹے بھائی تھے تمام تذکرہ نویسوں نے اُن کی بزرگی، تقوے اور علم و فضل کو تسلیم کیا ہی۔ اپنے بھائی کے عاشق تھے۔ اُن کا بے حد ادب و احترام کرتے تھے اور اُن سے وہی عقیدت تھی جو ایک سچّے طالب اور مرید کو اپنے مرشد سے ہوتی ہی۔ اور اُن کے بعد یہی اُن کے سجّادہ نشین ہوئے اور حقیقت یہ ہی کہ مستحق بھی یہی تھے مثنوی خواب و خیال[1] میں انھوں نے

---

[1] مطبوعۂ انجمن ترقی اُردو ۱۲

اپنی اس عقیدت کو بڑے خلوص سے بیان کیا ہے[1]۔ خواجہ میر درد کا پایہ
درویشی اور شاعری میں بہت بلند ہے اور آثر نے بھی پورا اُن کا تتبع کیا ہے
افسوس ہے کہ آثر کے حالات کہیں نہیں ملتے۔ اس سے قبل ان کا
کلام بھی مفقود تھا۔ بارے غنیمت ہے کہ اب ان کا کلام مل گیا ہے۔ مثنوی پہلے
چھپ چکی ہے، اب دیوان شائع کیا جاتا ہے۔ دونوں نہایت قابلِ قدر ہیں
اُردو کی بڑی بدقسمتی ہوتی اگر یہ گمنامی میں پڑے رہتے اور شائع
نہ ہوتے۔ یہی اُن کی ساری کائنات ہے اور اسی میں اُن کی حیات کا سارا
سرمایہ ہے۔ اگر اُن کی زندگی کے حالات معلوم نہیں تو نہ ہوں، اُن کے
کلام کا مل جانا بہت بڑی فتوح ہے۔ اُردو کے دل دادہ کے لئے
اس سے بڑی کوئی نعمت ہو نہیں سکتی۔

---

[1] فرماتے ہیں: درد ہی میرے جی میں چھایا ہے
درد کا میرے سر پہ سایا ہے
تونے ایسی ہی دستگیری کی ٭ پدری و مادری و پیری کی
تونے اس مہر و غور سے پالا ٭ نہ پڑا مجھکو اور سے پالا
(دیکھو مقدمہ مثنوی خواب و خیال)

خواب و خیال ایک ایسی مثنوی ہے کہ ہماری زبان میں اس کا جواب نہیں۔ اسے اثر کی شاعری کا کمال سمجھنا چاہیئے۔ دیوان مختصر ہے، کچھ غزلیں ہیں، کچھ قطعے اور رباعیاں اور کچھ مختلف مطلعے۔ مگر نہایت ہی پاک اور ستھرا کلام ہے۔ نہ فارسی ترکیبیں ہیں نہ تعقید و اغلاق ہے اور نہ بعید از کار تشبیہات و استعارات سے کچھ کام لیا ہے اور نہ تخیّل کی بلند پروازی ہے۔ چھوٹی چھوٹی بحریں اور سادہ سادہ لفظ ہیں، اتنے سادہ کہ اُن سے بڑھ کر سادہ مل نہیں سکتے۔ مضمون کو دیکھئے تو اُس میں تصوف ہے نہ اخلاق نہ حکمت و فلسفہ بلکہ سیدھے دل کی واردات ہے جو صاف صاف سیدھے الفاظ میں اس طرح بیان کردی ہے جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔ ہم باتوں میں بھی ایسی سادہ اور سلیس زبان نہیں بولتے جیسی وہ اپنے شعروں میں لکھ جاتے ہیں۔ اس سادگی اور سلاست پر خوبی یہ ہے کہ اثر سے خالی نہیں۔ ان کی زبان دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اُردو کے کسی شاعر کو ایسی سلیس زبان نصیب نہیں ہوئی۔ باتیں وہی ہیں مگر زبان اور

بیان اور ہی۔ ان کی سلیس زبان اور بے تکلف بیان نے جادو کا سا کام کیا ہی۔ کوئی شعر ایسا نہیں جو بے جان ہو اور اثر نہ رکھتا ہو۔ اُن کے شعر میں زبان اور بیان ہی کا لطف نہیں، دل بھی فریب لیتا ہی اور ایک کیفیت پیدا کر دیتا ہی۔ خود فرماتے ہیں ؎

دیوانِ آثرؔ تمام دیکھا
ہو اُس میں ہر ایک شعر حالی

یہ جوہر سادگی ہی کو عطا ہوا ہی کہ وہ دلوں کو گرماتا اور قال میں حال کا عالم پیدا کر دیتا ہی۔ آثرؔ ہمیشہ سادگی کے سائے میں چلتا ہے اور دل نشینی اس کا حُسن ہی جو دلوں کو موہ لیتا ہی۔ آثرؔ کے کلام میں یہ خوبی ایسی ہی جو اردو کے کسی دوسرے شاعر میں نہیں پائی جاتی۔ صاحبِ ذوق اسے شوق سے پڑھیں گے اور اس شگفتہ چمن سے اپنے ذوق کے مطابق ایسے پھول چُن لیں گے جن کی بھینی بھینی خوشبو سے دل کو فرحت اور دماغ کو نشاط حاصل ہوگا۔ ہم نے بھی اس چمن کی سیر کی، چند

تازہ پھول آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، ان کی سادگی، تازگی اور لطافت ملاحظہ فرمائیے۔

مرزا غالب کی مشہور غزل ہے "بر نہیں آتی، کر نہیں آتی" خوب لکھی ہے، جواب نہیں رکھتی۔ اثرؔ کے بھی چند شعر ملاحظہ ہوں:

حالِ دل مثلِ شمع رکھتا ہوں — گو مجھے بات کرنہیں آتی
ہر دم آتی ہے گرچہ آہ پر آہ — پر کوئی کارگر نہیں آتی
کیا کہوں آہ اور کس کے حضور — نیند کس بات پر نہیں آتی
دن کٹا جس طرح کٹا لیکن — رات کٹتی نظر نہیں آتی
ظاہرا کچھ سوائے مہر و وفا — بات تجکو اثرؔ نہیں آتی

ایک دوسری غزل دیکھئے:

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے — دل تجھے اعتبار آتا ہے؟
دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا — دشمنی پر تو پیار آتا ہے
تیرے کوچے میں بے قرار ترا — ہر گھڑی بار بار آتا ہے

زیر دیوار تو سُنے نہ سُنے — نام تیرا پُکار آتا ہے
حال اپنے پہ مجکو آپ اثر — رحم بے اختیار آتا ہے

اثر کیجیے کیا کدھر جائیے — مگر آپ ہی سے گزر جائیے
کبھو دوستی ہے کبھو دشمنی — تری کونسی بات پر جائیے
کئی روز کی زندگانی ہے یہاں — بنے جس طرح زیست کر جائیے
اثر ان سلوکوں پہ کیا لطف ہے — پھر اس بے مروّت کے گھر جائیے

اب توقع کسے بھلائی کی — دل نہ ہوتا تو کچھ بھلا ہوتا
بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا — قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

کسو کو مجھ سے نے مجکو کسو سے کام رہتا ہے — مرے دل میں ہمیشہ اے ترے خدا کا نام رہتا ہے
بیاں میں کیا کروں اس سے اب آ گئے اپنی ناکامی — ترے یہ طور اور مجکو تجھی سے کام رہتا ہے

بے وفا کچھ تری نہیں تقصیر مجکو میری وفا ہی راس نہیں

کبھی جفا کے سوا تجھ سے کچھ نہیں دیکھا یہ تو بھی مجکو وفا کا گمان باقی ہے

کیا شعر کہا ہے:

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نے اب جو دیکھا تو وہ اثر ہی نہیں

پہلے سوبار ادھر اُدھر دیکھا جب تجھے ڈر کے ایک نظر دیکھا

رباعی

گزرے ہے جو کچھ کہ دل پہ کس سے میں کہوں
کوئی نہ چڑھا نظر کہ اُس سے میں کہوں
یہ بات ہی ایسی ہے کہ تو کیا پیارے
باور نہ کرے اُسے وہ جس سے میں کہوں

احوالِ تباہ کو دکھاؤں میں کیسے افسانۂ دردِ دل سناؤں میں کیسے

تو دیکھ نہ دیکھ سُن نہ سُن جان نہ جان رکھتا ہوں تجھی کو اور لاؤں میں کیسے

آخر میں یہ عرض کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ یہ نسخہ دو قلمی نسخوں سے مرتب کیا گیا ہے۔ ایک تو جامعۂ ملیہ اسلامیہ دہلی کے کتب خانے کا ہے جو جامعہ کے فاضل پرنسپل ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے بکمال عنایت مستعار مرحمت فرمایا جس کا میں بہت شکر گزار ہوں۔ دوسرا مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب نے کتب خانۂ آصفیہ سرکار عالی (حیدر آباد دکن) سے نقل کر کے بھیجا۔ مرزا صاحب کی اس زحمت اور کرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں لیکن کتب خانۂ آصفیہ کا نسخہ بہت ناقص ہے۔ اس میں بہت سا کلام چھوٹ گیا ہے۔ جامعہ کا نسخہ بہت اچھا ہے۔ کچھ میں نے مختلف تذکروں نیز دوسرے ذرائع سے جمع کیا تھا۔ غرض اس طرح جمع کر کے مرتب کیا ہے۔ اب اس کی قدر پڑھنے والوں کے ہاتھ ہے۔

عبدالحق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احوال کھلا نہ ابتدا کا
معلوم ہوا نہ انتہا کا

با ایں ہمہ جہل و بےشعوری
کیا ذکر کرے کوئی خدا کا

عرفانِ اتم ہے عجزِ عرفاں
تعریف قصور ہے ثنا کا

ہے دیدہ قصورِ نارسائی
پھل پھول کمال اِبتنا کا

جس جاگہہ پہنچ نہیں کسو کی
فوق اُس سے مقام مصطفےٰ کا

مسجودِ کُل ملائک و جن
محمود تمام انبیا کا

اللہ کی بس کہے محمدؐ
مظہر ہے وہ ذاتِ کبریا کا

اور نعتِ نبی کرے بس اللہ
یہ مونھ نہیں اور ما سوا کا

ہے رحمتِ حق بس اُس پہ نازل
مورد ہے سلام اور دعا کا

ہے ربّ میں اُس کی آلِ اصحاب
اور گھر سب سیدالنساء کا

ازواجِ مطہّرات اُس کے — کُل[۱] ما صدق انہ النار کا

کیا کہہ سکے کوئی ہی جو درجہ — ساتھ اُس کے علیِ مرتضیٰ کا

ہی شہسوارِ شاہِ مرداں — مردِ میدانِ لافتا کا

مولا مشکل کشائے اُمت — سرتاج تمام اولیا کا

ذاتِ حسنین قرۃ العین — ہر ایک جگر ہے مجتبیٰ کا

ہی عبد اللہ کا جو رتبہ — کیا کہئے ائمۂ ہدا کا

صد شکر آثرؔ کہ ہم نے پایا — دیدار امامِ مقتدا کا

یعنی حضرات تک وسیلہ
ہی ناصری دین پیشوا کا

نہ ضد کوئی نے ند تری اوصاف و شیم کا — وہ ہست نہیں تو کہ مقابل ہو عدم کا

کیا کہہ کے بیاں کیجیے سرای ذات صفت کو — وہاں تو نہ گزر نام و نشاں کا نہ علم کا

کیا تیرے دوام اور بقا کی کہے حادث — اس تن کی عبادت سے ہی اطلاق قدم کا

ہم عاصی گنہگاروں کو بس دو نو جہاں میں — صرف ایک ٹھکانا ہی ترے فضل و کرم کا

رہتا ہوں بہرحال سبھی وقت میں میں شاد
ہیگا یہ آثرؔ خاص ترے ورد و الم کا

بس رفع اب خیال می و جام ہو گیا — ساقی بہ یک نگاہ مرا کام ہو گیا

مونھ لگنا تیری اور کسی بات میں کہاں — اب تو حصول بوسہ بہ پیغام ہو گیا

[۱] اصل نسخے میں یہ مصرع اسی طرح ہے

بلبل کرے ہے نالہ و گل ہے جگر فگار
شاید کہ باغ میں وہ گل اندام ہوگیا

میرے تئیں تو کام نہ تھا کچھ بتوں سے آہ
پر دل کے ساتھ مفت میں بدنام ہوگیا

منت رہے گی حشر تلک تیری اے اجل
گو جی گیا پہ ہم کو تو آرام ہوگیا

موقوف اب تو خیر کسی بات پر نہیں
تکیہ کلام اُس کا تو دشنام ہوگیا

دیکھینگے اُس کی سنگدلی کو ہم اے اثر
گر کوئی نالہ ہم سے سرانجام ہوگیا

واعظ کسے دماغ جواب و سوال کا
یاں حال سے فراغ کہاں قیل و قال کا

ہر چند ممکن اب نہیں ہوتا وصال کا
پر مجھ کو نت یہی ہے تصور محال کا

دھوکا اگر وہ ہو چکا شاید ادھر کو آئے
عرصہ کہاں رہا ہے اب اس احتمال کا

حالت تباہ سُن کے وہ ہوتا ہے اور خوش
قاصد نہ کیجو ذکر تو واں میرے حال کا

تصویر تیری آنکھوں میں آ کر پھرے ہے آہ
مذکور جب چلے ہے کسو کے جمال کا

لا کر تجھے بٹھائے ہے میری بغل کے بیچ
میں معتقد ہوں جب سے اب اپنے خیال کا

مثل کلاغ بھولے وہ اپنی بھی چال کو
کبک دری جو قصد کرے تیری چال کا

اللہ جانے آن پھنسا کیوں کہ دام میں
میں تو نہ تھا فریفتہ کچھ خط و خال کا

نقصاں میں اثر سا نہیں کوئی دوسرا
دیکھا تو یہ بھی ایک ہے اپنے کمال کا

دل سے فرصت کبھی جو پائے گا
حال اپنا تجھے سُنائے گا

نظریں ہر ایک سے ملاتے ہو ٹک تو آنکھیں کبھی ملائیے گا
دل چراتے ہی بس چرائی آنکھ ابھی آ گئے تو جی چرائیے گا
قصد اپنا جو تھا سو ہو نہ سکا کہ تجھے اپنے گوں بنائیے گا
دلِ دیوانہ ہیں کچھ آتا ہے آپ پر کچھ نہ جی میں لائیے گا
کون ہو اے چلے ہو کس لئے دل نام اپنا ذرا بتائیے گا
تیرے وعدوں کا اعتبار کیا جھوٹی ناحق قسم نہ کھائیے گا
صاف کہہ دیجے مختصر اتنا آئیے گا کہ بس نہ آئیے گا
اٹھ گیا ہے سبھی طرف سے دل اس طرف آوے تو بٹھائیے گا
اور تو سب خیال جی سے مٹے یہ بھی خطرہ تیرا مٹائیے گا

اس کی صحبت میں غیر آنے لگے
اے اثرؔ اب وہاں نہ جائیے گا

کبھو مونھ بھی مجھے دکھائے گا یا یوہیں دل میرا دکھائے گا
اگر ایسا ہی اب ستائے گا خیر جیتا مجھے نہ پائے گا
دل ہر ایک سے لڑاتے پھرتے ہو آنکھ تو ہم سے بھی لڑائے گا
جی میں ہے کچھ ارادۂ فاسد ٹک سمجھ کر ادھر کو آئے گا
دل تو اودھر سے اٹھ نہیں سکتا ہاتھ اب کس طرح اٹھائے گا
یوں بظاہر تو ملتے جلتے ہو دل بھی ٹک کھول کر ملائے گا

میں تو دونو طرف سے حاضر ہوں　　جو سمجھ ہو عمل میں لائیے گا
آئیے گا غریب خانہ میں　　یا مجھے اپنے ہاں بلائیے گا
اختر اتنا میں التماس کروں　　ہر کسو کی دغا نہ کھائیے گا
عشق سے منع میں نہیں کرتا　　آپ جی میں برا نہ لائیے گا
مونھ تو اس خوب رو کا دیکھا تم　　لیک خو بو بھی آزمائیے گا

جان تک دو جسے کہ چاہو پر
دل کو ٹک دیکھ کر لگائیے گا

کبھو ہم سے بھی وفا کیجئے گا　　یا یہی جور و جفا کیجئے گا
دیکھیں دشنام کہاں تک دوگے　　دم میں سو بار دعا کیجئے گا
نظر آتا ہے گرہ زلف سے کھول　　ہر طرف فتنہ بپا کیجئے گا
جان و دل سے بھی گزر جائینگے　　اگر ایسا ہی خفا کیجئے گا
کی ہے بندے کے لئے یہ بیداد　　رحم ٹک بہر خدا کیجئے گا
عشق کے صدمے اٹھاتا تھا دل　　اب تو وہ بھی نہیں کیا کیجئے گا
اب تو ٹک میرا کہا کیجے پھر　　چاہئیے گا سو کہا کیجئے گا

گو اسے اہل وفا سے ہے خلاف
اب اختر تو بھی وفا کیجئے گا

تیرے آنے کا احتمال رہا　　مرتے مرتے یہی خیال رہا

غم ترا دل سے کوئی نکلے ہے — آہ ہر چند میں نکال رہا
ہجر کے ہاتھ سے ہیں سب روتے — یہاں ہمیشہ کسے وصال رہا
شمع ساں جلتے بلتے کاٹی عمر — جب تلک سر رہا وبال رہا
مل گئے خاک میں ہی طفلِ تمر — میں تو آنکھوں میں گرچہ پال رہا
سمجھئے اس قدر نہ کیجے غرور — کوئی بھی حسن لازوال رہا
تیرے در سے کوئی بھی ٹلتا ہو — مجھ کو ہر چند تو تو ٹال رہا
دل نہ سنبھلا اگرچہ میں تو اُسے — اپنے مقدور تک سنبھال رہا

پھر نہ کہنا **اثر** نہ کچھ سنّا
کوئی دن گر یونہیں جو حال رہا

وہاں نہ وہ قول نہ قرار رہا — یہاں وہی اب تلک انتظار رہا
پھر کے دیکھا نہ اُس طرف اُن نیں — آہ ہر چند میں پکار رہا
نہ رہی گو کہ خاک بھی اپنی — تیری خاطر میں پر غبار رہا
ساری مجلس میں تیری اے ساقی — ایک اپنے تئیں خمار رہا
حق تری تیغ کا ادا نہ ہوا — اپنی گردن پہ سر پہ بار رہا

تو نہ آیا وے **اثر** کے تئیں
مرتے مرتے بھی انتظار رہا

مرا دل اُڑا کر تو چلتا رہا — میں مونھ دیکھتا ہاتھ ملتا رہا

بھلا دیکھ پروانہ پر شمع کا — دمِ زیست تک جی پگھلتا رہا
نہ دیکھی کبھو تیری تیوری درست — ہمیشہ تو تیوری بدلتا رہا
نہ نکلا تو گھر سے پہ یہاں مفت جی — ترے منتظر کا نکلتا رہا
نہ دیکھی اثرؔ نے کبھو تجھ سے ہاں
فقط نا نہ پر سر ہی ہلتا رہا

جب تلک تو ادھر کو آوے گا — تب تلک جی نکل ہی جاوے گا
قہر طوفان ہے مرا گریہ — ایک عالم کو یہ ڈبووے گا
کون ہے وہ کہ خیر خواہی سے — حال میرا تجھے سناوے گا
دیکھ لیجو یہ انتظار مرا — ایک دن تجھ کو کھینچ لاوے گا
تو نے بندے سے جو سلوک کیا — بتِ کافر خدا سے پاوے گا
یاد رکھنا بھلا نہ مل بہتر — پھر کبھو تو خدا ملاوے گا
جس قدر ہو سکے ستا لے تو — جب یہ بندہ بھی کچھ ستاوے گا
اثرؔ اب تو ملے ہے تو اس سے
پر یہ ملنا مزا دکھاوے گا

گر خانہ برانداز یہ دل آہ نہ ہوتا — رسوائے دو عالم کوئی واللہ نہ ہوتا
معلوم یہ ہوتا مزۂ جور و جفا سب — اے شوخ اگر بندۂ درگاہ نہ ہوتا
جوں نقشِ قدم راہ میں پامال ہوا دل — کوچے میں ترے آہ سرِ راہ نہ ہوتا

کچھ اور ہی شاہی کے سوا رتبۂ شاہی — گر یوں نہیں تو کوئی گدا شاہ نہ ہوتا

ایک آہ تو کی ہوتی بھلا اُس کے بھی آگے
پھر اس میں اثرؔ ہوتا اثر خواہ نہ ہوتا

دیکھتے تو سہی کہ کیا ہوتا — ایک نالہ اثرؔ کیا ہوتا
چھوٹتی ہے یہ بدمعاملگی — پہلے دل کو تو دے لیا ہوتا
اب توقع کسے بھلائی کی — دل نہ ہوتا تو کچھ بھلا ہوتا
خواہ بوسہ و خواہ گالی ہی — کچھ تو دل کے عوض دیا ہوتا
جانتا کچھ قدر ہماری بھی — تو بھی عاشق اگر ہوا ہوتا
بے وفائی پہ تیری جی ہے فدا — قہر ہوتا جو باوفا ہوتا

کچھ اثرؔ کا علاج کرتے ہم
رات کی رات گر جیا ہوتا

اظہار کیونکے کیجے گا حالِ تباہ کا — نہ زور نالہ کا ہے نہ مقدور آہ کا
نہ دیں رہا نہ صبر نہ طاقت نہ خواب و خور — یہ کچھ تو ہے نتیجہ میاں تیری چاہ کا
اُس کے جو قہر و فضل کے آگے جو دیکھیے — طاعت سے نے اُمید نہ ڈر ہے گناہ کا
ناز و عتاب و عشوہ سبھی ہیں ستم شعار — کوئی بھی ملکِ حسن میں ہے داد خواہ کا
ابرو کی تیغ و خنجرِ مژگاں عبث نہ کھینچ — اے یار میں تو کشتہ ہوں تیری نگاہ کا
زلفِ کج سیاہِ پریشانِ یار اثرؔ — ہے فال نامہ میرے ہی بختِ سیاہ کا

خوب دنیا میں خوش رہا ہوگا | جو کہ عاشق ترا ہوا ہوگا
جو کہ میں شوق میں کہا ہوگا | ہے غضب اُس نے گر سنا ہوگا
ہوں دیوانہ سمجھ کا میں اُس کی | جس نے دل کو تجھے دیا ہوگا
کب توقع تھی یہ کہ دل تیرا | ایسے مخلص سے یوں پھرا ہوگا
دل نہ آیا جواب تئیں شاید | کسی ظالم کے بس پڑا ہوگا
گر کے اٹھا نہ پھر میں قطرۂ اشک | کوئی ایسا بھی کم گرا ہوگا
ہے زمانہ کے ہاتھ سے تو بعید | کیونکہ غنچہ بھی وا ہوا ہوگا

اثرؔ اوّل تو یہاں ہوا سو ہوا
دیکھیں آخر کو آہ کیا ہوگا

آہ کے ساتھ جی نکل نہ گیا | آہ اے آہ یہ خلل نہ گیا
کون تجھ سے ہے دل ترا ظالم | اپنے نالوں سے جو پگھل نہ گیا
خاک ہو گئی رہی پہ وہی مروڑ | رسی جل گئی پہ تو بھی بل نہ گیا
سخت جاں زبس ہے سمندر کا | نت رہا آگ میں پہ جل نہ گیا

یوں غزل تو اثرؔ کہی لیکن
کوئی مصرع پہ صاف ڈھل نہ گیا

تیر مژہ کا تیرے نشانہ جگر کیا | ابرو کی تیغ دیکھ کے سینہ سپر کیا
کوچہ میں اُس کے دل نے جو میرے گزر کیا | آیا نہ پھر اِدھر وہیں تنہا کہ گھر کیا

اُس سنگدل کے دل میں تجھ نالہ نے جا نہ کی   کیا فائدہ جو اور کے جی میں اثر کیا
شعلے نے آہ کے تو جلایا ہے برق کو   گریہ نے میرے ابر کو بھی تر بتر کیا
اب مجمرِ جہان سے دوراں نے ہم کو آہ   مثلِ سپند خوب جلا کر بدر کیا
تجکو اگر اثر نہیں کہنے کا ہم کو کیا
عاشق ہوئے سے اپنے ہی جی کا ضرر کیا

جھوٹے نہ اُسے قرار کرنا   تِس پر مجھے انتظار کرنا
ہو جائینگے جور اُس کے معلوم   داغوں کو مرے شمار کرنا
کیا ہو گئی تیری شوخ چشمی   ادھر نظریں دو چار کرنا
ہم بے جانوں کے مارنے پر   کیا ظلم پر افتخار کرنا
دشنام تو دے دعا نہ دوں میں   دعا دل میری بھی یار کرنا
سنگینی اثر بتوں کے دل کی
میرا لوحِ مزار کرنا

دل دیا گرچہ تجکو جانا تھا   قسمت اُس کی میں آہ جانا تھا
اگر ادھر نہ تجکو آنا تھا   جھوٹھ سچ وعدہ کیا بنانا تھا
کوئی دنیا میں دل دیوانا تھا   تجھے واللہ یہ نہ جانا تھا
کبھو کرتے تھے مہربانی بھی   آہ وہ بھی کوئی زمانا تھا
کیا بتاویں کہ اس چمن کے بیچ   کہیں اپنا بھی آشیانا تھا

تو نہ آیا ادھر کو ورنہ ہمیں   حال اپنا تجھے دکھانا تھا
تیغ ابرو و تیرِ مژگاں کا   دل یہ جو رنگ تھا نشانا تھا
ہوشیاروں سے مل کے جاؤ گے
کہ اثرؔ بھی کوئی دیوانا تھا

نالہ کرنا کہ آہ کرنا   دل میں اثر اُس کے راہ کرنا
کچھ خوب نہیں یہ تیری باتیں   ہر چند مجھے نباہ کرنا
تیرا وہ جور یہ مرا صبر   انصاف سے ٹک نگاہ کرنا
کیا لطف ہے لے کے دل مکرنا   اور اُلٹے مجھے گواہ کرنا
رحمت کے حضور بے گناہی   ق   مت شیخ کو روسیاہ کرنا
جی اب کے بچا خدا کرے   پھر اور بتوں کی چاہ کرنا
کیا کہیے اثرؔ تو آپ ٹک دیکھ
یوں حال اپنا تباہ کرنا

کہوں کیا دل اُڑانے کا ترے کچھ ڈھب نرالا تھا   وگرنہ ہر طرح سے اب تلک تو میں سنبھالا تھا
کہاں اب جل گئے وہ سوز کدھر وہ اشک کی شورش   کبھو کچھ پھوٹ بہتا ہی جگر پر وہ جو چھالا تھا
ہوا آوارۂ دشت و بیاباں دیکھتے لینے   وہ طفلِ اشک جو الفت سے آنکھوں بیچ پالا تھا
ترا غم کھا گیا میرا کلیجہ دل سبھی یک بار   ہوا ہوگا کہاں سیر یہ تو اک نوالہ تھا
ابھی تو لگ نہ چلنا تھا اثرؔ اُس گلبدن کے ساتھ   کوئی دن دیکھنا تھا زخمِ دل بے طرح آلا تھا

مرضِ عشق دل کو زور لگا — جاں بلب ہوں خیالِ گور لگا
بے طرح کچھ گھلا ہی جاتا ہے — شمع کی طرح دل کو چور لگا
تیرے مکھڑے کو یوں تکے ہے دل — چاند کے جوں لہے چکور لگا

در و دیوار پر سر ایک طرف
آنسوؤں سے اثر کے شور لگا

تیرے ہاتھوں سے میں ہلاک ہوا — مفت ہی مفت جل کے خاک ہوا
لگی رکھی نہ تو نے میرے ساتھ — تیرے نزدیک قضیہ پاک ہوا
لے چکے دل تو قصدِ جاں ہے مگر — پھر شروع اب جو یہ تپاک ہوا
حال سن کر تو مہرباں نہ ہوا — بلکہ برہم ہو خشم ناک ہوا

خوب اب تو جنوں کے ہاتھوں اثر
سینہ و جیب چاک چاک ہوا

مانندِ فلک طوف ہے لازم ترے در کا — رکھتا ہوں نہ آغاز نہ انجام سفر کا
یہ خاک نشیں تیرے سرِ رہ پہ جو بیٹھا — جوں نقشِ قدم مر ہی مٹا لیک نہ سرکا
دل تھا تو سبھی بات تھی اُس سے متعلق — اب نفع کی اُمید نہ ہے خوف ضرر کا
کیا عرض و گزارش میں کروں آہ کہ احوال — جو کچھ کہ سخن در رو سے ہوتا ہے اثر کا
یہاں تک ہے مرے پر تری ہر بات موثر — اقرار کچھ اُس کا نہیں مخصوص بشر کا
کہسار میں ہر سنگ یہ کہتا ہے پکارے — اے درد مقر ہوں ترے نالوں کے اثر کا

جس وقت کہ تو نے اُسے پیغام دیا تھا
قاصد بجز اور نہیں میرا نام لیا تھا

افسوس کہ تو نے نہ کیا ٹک بھی توقف
اے مرگ ستم نالہ مرا انجام ہوا تھا

دن تو بہ توقع ترے بیمار نے کاٹا
کٹتی ہے کہیں شب کبھی تا شام جیا تھا

ناگاہ پس از عمر ملا مجھکو تو بولا
بس لگ نہ چل اب تو نے تو بدنام کیا تھا

اب تو ملے بن جی ہی اختر کا نہیں رہتا
وعدوں نے ترے کوئی دن تھام لیا تھا

ردیف (ب)

زیست ہونی تعجبات ہے اب
مر ہی جانا بس ایک بات ہے اب

دور میں تیرے ہے وہ کچھ اندھیر
نہیں معلوم دن ہے رات ہے اب

دل ہے زندہ نہ جی ہی جیتا ہے
زندگی بدتر از ممات ہے اب

اتنے بے دید بے شنید ہوئے
نہ توجہ نہ التفات ہے اب

ہجر کیسا وصال ہو بالفرض
کچھ ہی صورت ہو مشکلات ہے اب

جی ہی لینا یہ لطف ہے منظور
اس قدر جو تفضّلات ہے اب

جیتے جی تو رہا وصال محال
مر چکے پر توقعات ہے اب

کچھ نہ پوچھو اختر کی بے چینی
نہ سکونت ہے نے ثبات ہے اب

ردیف (ت)

غم ہی دکھلاتی ہے سدا قسمت — واہ اپنی بنی ہے کیا قسمت
جس کی خاطر سبھی ہوئے دشمن — نہ ہوا وہ بھی دوست یا قسمت
کیا کہوں اپنی بے نصیبی کی — دے کسو کو نہ یہ خدا قسمت
نہ رہا وصل دائمی تو نصیب — ہجر ہی دیکھیں تا کجا قسمت

یاوری کی نا طالعوں نے اثرؔ
آزمائی ہے بار ہا قسمت

ردیف (ث)

اے پائے حرص پھر نہ تو اب دربدر عبث — تیرے سبب ہوں خاک مذلت بسر عبث
گنجائش علم بھی نہیں واں جو دیکھئے — رکھتے ہیں جس کا نام دہن اور کمر عبث

عشق ان بتوں کا کافر بے مہر کا اثرؔ
ہے لغو ہیچ پوچ غلط سر بسر عبث

ردیف (ج)

دیکھ کر دل کو پیچ و تاب کے بیچ — آ پڑا مفت میں عذاب کے بیچ

کون رہتا ہے تیرے غم کے سوا — اس دلِ خانماں خراب کے بیچ
تیرے آتش زدوں نے مثلِ شرار — عمر کاٹی ہے اضطراب کے بیچ
کیا کہوں تجھ سے اب کے میں تجھکو — کس طرح دیکھتا ہوں خواب کے بیچ
شمع فانوس میں نہ جب کے چھپے — کب چھپے ہے یہ مونہہ نقاب کے بیچ
ٹک تبسم نے کی شکر ریزی — بارے اب تلخیِ عتاب کے بیچ
کیا کہے وہ کہ سب ہویدا ہے — شان تیری تری کتاب کے بیچ

ہے غلامی اثرؔ کو حضرتِ درد
بدل و جان تری جناب کے بیچ

ردیف (ح)

[illegible]

تو ہی بتا نبھے گی یوں ہیں بات کس طرح — بالفرض دن کٹا پہ کٹے رات کس طرح
کھنچے ہے دور آپ سے یوں پھینک مجکو دور — اس دور باش پر ہو ملاقات کس طرح
دل نے دماغ جی نہ جگر میں لہو کی بوند — دکھلاؤں تجکو ہجر کے حالات کس طرح
گرچہ ہے منت دہ پردہ نشیں سب سے در حجاب — بے پردہ ہو پڑی ہے وہی ذات کس طرح

شب زندہ داریوں اثرِ مردہ دل ہو درد
مانوں نہ پیر تیری کرامات کس طرح

ردیف (ر)

جوں گل تو ہنسے ہے کھل کھلا کر
شبنم کی طرح مجھے رولا کر

مہمان ہو یا کہ یہاں تو آ کر
یا رکھ مجھے اپنے ہاں بلا کر

در پر تیرے ہم نے خاک چھانی
نقدِ دل خاک میں ملا کر

مانوس نہ تھا وہ بت کسو سے
ٹک رام کیا خدا خدا کر

کن نے کہا اور سے نہ مل تو
پر ہم سے کبھی کبھو ملا کر

گو زیست سے ہیں ہم آپ بیزار
اتنا پہ نہ جان سے خفا کر

کچھ سے اثر دل کو بھی اثر ہو
اتنی تو بھلا اثرؔ دعا کر

ردیف (ک)

جو بات میں نے اُس سے نہیں کی اس آن تک
آئی کہاں سے خلق کی یارب زبان تک

شہرا ہے تیرے عشق میں رسوائی کا مرا
کیوں کر میں یوں پہنچا نہیں تیرے کان تک

ہیں نالہ در گلو یہ میرے عرش کے پرے
ہے نارسا جو پہنچی فغاں آسمان تک

بے جان مردہ دل پہ تیرے کیا کہیں کے ہم
تجھ سے دریغ رکھتے نہیں دیکھ جان تک

نالہ آزمودہ کار ہوا مفت اثرؔ تمام
پہنچی نہ اُس کی بات کوئی امتحان تک

نوبت ترے جفا کی تو پہنچی کہاں تلک ‏ آیا نہ حرفِ شکوہ پہ میری زباں تلک
ہم پارسا فتادہ زپا جا کرے ہیں واں ‏ ہرگز نہ پہنچے دستِ رسائی جہاں تلک
اے خضر پھر تو رشکِ حیاتِ ابد ہوں میں ‏ مر کر بھی پہنچ جاؤں گر اُس آستاں تلک
اب نقش کی طرح سے رہا جو جہاں رہا ‏ پہنچاوے آہ کون اُسے مہرباں تلک
خاطر نشاں کسو کی طرف سے ہو جب تری ‏ جیتا بچے کوئی جو ترے امتحاں تلک
نالہ مرا نہ پہنچا ترے کان تک کبھی ‏ جاتا ہی گو زمیں سے لے آسماں تلک

تو کیوں عبث ہے دشمنِ جاں اُس غریب کا
رکھتا نہیں عزیز اثر تجھ سے جاں تلک

حد ہو چکی ہے اب تو خاطر بھلا کہاں تک ‏ ہم نے ہوس کو مارا مقدور تھا جہاں تک
دل سے گزر کے نوبت پہنچی ہے گو کہ جاں تک ‏ تا حال حرفِ شکوا آیا نہیں زباں تک

بالفرض ایک دو دن لیت و لعل ہیں کاٹے
انصاف کیجے آخر گزرے گی یوں کہاں تک

ردیف (ل)

(غزل ناتمام)

ٹک غور سے کر سیرِ گلستانِ تامّل ‏ ہر غنچہ ہے یہاں سر بگریبانِ تامّل
ہر آن گزرتی ہے اسے سوچ ہی کرتے ‏ یا رب یہ دل اپنا ہے کہ ہے کانِ تامّل

ردیف (ن)

بس ہو یارب یہ امتحان کہیں — یا نکل جائے اب یہ جان کہیں
حسن ایسا ہی گو رہے نہ رہو — کوئی جاتی ہے تیری آن کہیں
تیری کیا کیا میں باتیں مانیں ہیں — تو بھی اک بات میری مان کہیں
مثل عنقا یہ تیرے گم شدہ گاں — نام کو ہیں نہیں نشان کہیں
وائے غفلت کہ ایک ہی دم میں — ہیں کہیں اور کاروان کہیں
تجھ سوا جانتا نہیں ہوں کچھ — تو بھی اس بات کو تو جان کہیں
کیا کہوں اپنی میں پریشانی — دل کہیں ہے کہیں ہوں دھیان کہیں

تھامتا ہوں آثر میں آہوں کو
جل نہ جاوے یہ آسمان کہیں

لے گئے اپنے ساتھ زیر زمیں — خواہشیں سب یہ دل کی دل ہی رہیں
تیری باتیں جفا کی ہم نے سہیں — کبھو اپنی زبان سے نہ کہیں
نہ رہے دل میں بس کوئی خواہش — آرزو اس سوا کچھ اور نہیں
مارتی ہے یہ جی کی بے چینی — یارب آرام دل کو ہووے کہیں
ہجر کی رات مثل شبنم و شمع — روتے روتے ہی گزری صبح تئیں
ایک تیرے لئے میں ساری عمر — سب کی باتیں ہزار ہا تو سہیں

بے وفائی کا کچھ گماں نہ تھا
ایک تھا تجھ سے جور کا توقیں

اب ملاقات میری تیری کہاں
تو تو آوے بھی یہاں پہ میں تو نہیں

عاشقی اور عشق کی باتیں
سب جہاں سے اثرؔ کے ساتھ گئیں

نہ برق نہ شعلہ نے شرر ہوں
جو کہیے سو قصّہ مختصر ہوں

جوں عکس میرا کہاں ٹھکانا
تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

اے نقشِ قدم رہِ فنا میں
میں تجھ سے ٹک ایک پیشتر ہوں

یہ خیر ہے خیر محض ہے تو
بندہ گندہ جو میں بشر ہوں

معلوم ہوئی نہ کچھ حقیقت
میں کیا ہوں کون ہوں کدھر ہوں

اے عمرِ بہ باد رفتہ لے چل
میں بھی تیرے ہی ہمسفر ہوں

جوں شعلہ میانِ بے قراری
قائم اپنے قرار پر ہوں

ہوں نالۂ نارسا و لیکن
اپنے حق میں تو کارگر ہوں

آتے ہیں نظر سبھی ہنر مند
میں ہی ایک صاف بے ہنر ہوں

ہوں تیرِ بلا کا میں نشانا
شمشیرِ جفا کا میں سپر ہوں

لینا مری خیر خبر تو خیر دلا
غافل ہوں نپٹ ہی بے خبر ہوں

بھولے بھی کبھو نہ یاد کرنا
بارِ خاطر میں اس قدر ہوں

ہوں لغو میں آپ اپنی ذاتوں
اوروں کا نفع نے ضرر ہوں

تیرے دامن سے لگ رہا ہوں اپنی تر دامنی سے تر ہوں

درد کی ذات پاک کا ہے
گو عین نہیں ولے اثر ہوں

جی میں ہے از سرِ نو جورِ ترے یاد کریں — تو سنے یا نہ سنے نالہ و فریاد کریں
ان بتوں کی ہے بڑی دوڑ یہی دل شکنی — یہ کہاں جو یہ کسی دل کے تئیں شاد کریں
اس قدر چاہیے رخصت کہ یہ شورش زدگاں — آہ و نالہ سے بھلا کوچے کو آباد کریں
ہم اسیروں کی اسے چاہیے خاطر داری — اور الٹی نہ کہ ہم خاطرِ صیاد کریں
اشک کے ہاتھوں رہی ایک یہ حسرت ہم کو — مشتِ خاک اپنی ترے کوچہ میں برباد کریں
مفت بر دل تو اڑا لے گئے نئے ڈھب سے مرا — جی بھی لینے کی طرح چاہیئے ایجاد کریں
کبھو ادھر کو بھی ہو جلوہ گری عشوہ گری — تیری دولت کا بھلا ہم بھی تو کچھ یاد کریں
ان کے آزاد کئے ہووے گر آزاد کوئی — تو یہ صیاد ابھی ہم سوں کو آزاد کریں
آپ کے دل سے بھلا ٹک تو نکل جاوے بخار — اور بھی جی میں جو کچھ ہووے سو ارشاد کریں

تو اگر شرم سے نہ ملے رشکِ چمن اور ہم
صحبتیں بلبل و گل قمری و شمشاد کریں

بے وفا تجھ سے کچھ گلا ہی نہیں — تو تو گویا کہ آشنا ہی نہیں
یا خدا پاس یا بتاں کے پاس — دل کبھو اپنے ہاں رہا ہی نہیں
دل سے جو چاہیئے ہو یا رشتہ — میں نے بھی اللہ کچھ کہا ہی نہیں

تیرے کوچہ سے آہ جانے کو — دل نہیں پاکہ اپنے پا ہی نہیں
یہاں تغافل میں اپنا کام ہوا — تیرے نزدیک یہ جفا ہی نہیں
نالے بلبل نے گو ہزار کیے — ایک بھی گل سے پر سنا ہی نہیں
کچھ نہ ہوتا اثرؔ اثر اس کو
بھلے کو نالہ تو کیا ہی نہیں

دل میں سو آرمان رکھتا ہوں — پیارے آخر میں جان رکھتا ہوں
واہ ری عقل تجھ سے دشمن سے — دوستی کا گمان رکھتا ہوں
صبر چھوٹا دل سب اور باتوں میں — قابلِ امتحان رکھتا ہوں
آہ تیرے بھی دھیان میں کچھ ہے — کس قدر تیرا دھیان رکھتا ہوں
تجھ سے ہر بار مل کے میں بے صبر — نہ ملوں پھر یہ ٹھان رکھتا ہوں
میں تو اپنی بساط میں بے کس — تجھکو اے مہربان رکھتا ہوں
صرف میں تو اثرؔ بانِ جرس
آہ و نالہ بیان رکھتا ہوں

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں — پر ہمیں آہ کچھ نظر ہی نہیں
میرے احوال پر نظر ہی نہیں — اس طرف کو کبھی گزر ہی نہیں
دل نہ دیویں جگر نہ چاک کریں — یہ تو اپنا دل و جگر ہی نہیں
ہے مرا حال تو زبان زدِ خلق — میں نہ مانوں تجھے خبر ہی نہیں

تیری اُمید چھٹ نہیں اُمید　　تیرے ڈر کے سوائے ڈر ہی نہیں
حال میرا نہ پوچھئے مجھ سے　　بات میری جو معتبر ہی نہیں
در دِ دل چھوڑ جایئے سو کہاں　　اپنی باہر تو یہاں گزر ہی نہیں

کر دیا کچھ سے کچھ ترے غم نیں
اب جو دیکھا تو وہ آشفتہ ہی نہیں

ہم ہیں بیدل دل اپنے پاس نہیں　　آہ اس کا بھی تجکو پاس نہیں
تو ہی بہتر ہے آئینہ ہم سے　　ہم تو اتنے بھی روشناس نہیں
پوچھ مت حالِ دل مرا مجھ سے　　مضطرب ہوں مجھے حواس نہیں
بے وفا کچھ تری نہیں تقصیر　　مجکو میری وفا ہی راس نہیں
قتل میرا ہی تیری بدنامی　　جان کا ورنہ کچھ ہراس نہیں
ہو گی وحشت یہ اپنے ہی دل میں　　روز و شب ورنہ کچھ اداس نہیں

یوں خدا کی خدائی برحق ہے
پر آشفتہ کی ہمیں تو آس نہیں

کوئی ہوا و حرص کو یہاں دسترس نہیں　　یہ بھی ہوا نہیں کہ ہوا و ہوس نہیں
اس بیکسی میں آہ مرا تو نہیں کوئی　　دل ایک ہی سو اور کے بس اپنے بس نہیں
رفتار کی نہ طاقت و پرواز کا نہ زور　　صیاد ہم کو حاجتِ دام و قفس نہیں
آہ و فغاں یہی ہے کہ سنتا نہیں کوئی　　فریاد ہے یہی کوئی فریاد رس نہیں

یہ حال بھی اثر کا غنیمت ہی جانیے
جیتا رہا ہے اب تئیں اتنا بھی بس نہیں

صیاد تو عبث مجھے گھیرے ہے جال میں — ہوں میں تو آپ ہی اپنے گرفتار جال میں
احوالِ ہجر یار کا پوچھو نہ میں کہوں — ہاں جان جو کہوں آن پڑی ہے وبال میں
لاوے کہاں سے کبک دری اس خرام کو — انداز ہی کچھ اور ترے چال ڈھال میں
مدت ہوئی کہ آئی نہیں ہے اثر کو خواب
رہتا ہے ان دنوں وہ کچھ اور ہی خیال میں

بات کہتا ہوں کسو کا کچھ گلا کرتا نہیں — یہ برا کرتا ہے وہ مجھ سے ملا کرتا نہیں
ایک میری ہی دعا دشنام سے مخصوص ہے — ورنہ پیارے کون تجکو یاں دعا کرتا نہیں
بے وفاؤں سے وفا کرتے ہیں وے سبھی یہاں — لیک با اہلِ وفا کوئی وفا کرتا نہیں
آنسوؤں کے ساتھ جی بھی نکلے جاتا ہے اثر
وہ تو لڑکے ہیں کہوں کیا یہ کہا کرتا نہیں

کیا کیجیے اختیار نہیں دل کی چاہ میں — ہیں سب وگرنہ تیری یہ باتیں نگاہ میں
کیا کہیے دم ہی لینے کی طاقت نہیں مجھے — تھا ورنہ یاں تو کام تمام ایک آہ میں
ایسے کے خیرخواہ ہوئے ہم کہ جس کو آہ — بدخواہ میں ہی فرق نہ کچھ خیرخواہ میں
کرتے نہ اُس کی سنگدلی کے نہ ہاتھوں آہ
ہوتا اثر جو کچھ بھی اثر اپنی آہ میں

رہتا ہے کیا بتاؤں کیا رنگ دل کے ہاتھوں
مانند غنچہ پیارے ہوں تنگ دل کے ہاتھوں

بیہودہ سعی مت کر اے سختیِ زمانہ
ہے چور شیشۂ دل اُس سنگ دل کے ہاتھوں

تیری درشتیِ خو کیوں کر نظر میں آوے
رہتی نہیں ہے ایسی یہاں جنگ دل کے ہاتھوں

حیرت ہے آپ ہم کو دل پر یہ کیا کھلا ہے
آئینہ وار تیرے ہیں دنگ دل کے ہاتھوں

دوڑے نہ دل کہیں کو نے جی چلے کسو پر
پائے طلب کو اپنے ہے لنگ دل کے ہاتھوں

موجود اگرچہ نام خدا وہ کہاں نہیں
تس پر بھی آہ یہاں تو کسو پر عیاں نہیں

نالہ نہیں کہ آہ نہیں یا فغاں نہیں
کیا ہے کہ تیرے درد کی دولت یہاں نہیں

دل کونسا ہے یاں کہ وہ بیدل نہیں ہے آہ
ہے جان کون سی کہ وہ ہر دم بجاں نہیں

تجھ سے نہ تھا جو کچھ کہ گماں سو یقیں ہوا
جو تجھ سے تھا یقیں سو اب اُس کا گماں نہیں

مر تو چلے کہاں تئیں اب نے رگزر کریں
یا ہم نہیں اس آہ میں یا آسماں نہیں

رم کونسا ہے یہاں کہ نہیں ہے وہ ہم سے رام
آرام کون سا ہے کہ ہم سے رماں نہیں

وابستہ سب یہ اپنے ہی دم سے ہے کائنات
گو ہو جہاں پہ آپ نہیں تو جہاں نہیں

بے قدری اب تیرے یہاں سے بھلا جائے گی کہاں
تیرا تو مجھ سوائے کوئی قدرداں نہیں

اوروں کے ہاتھ حال جو لکھوائے ہے اثر
کہتا نہیں تو آپ تری کیا زباں نہیں

کر کے دل کو شکار آنکھوں میں
گھر کرے ہے تو یار آنکھوں میں

چشم بد دور ہو نظر نہ کہیں — ہے نپٹ ہی بہار آنکھوں میں
اور سب چہرہ بازیوں کے سوا — عشوہ ہے صد ہزار آنکھوں میں
کیا کہوں تجھ کہی نہیں جاتیں — باتیں ہیں بے شمار آنکھوں میں
جس گھڑی گھورتے ہو غصّہ سے — نکلے پڑتا ہے پیار آنکھوں میں
تیرِ مژگاں دلوں کے پار ہوئے — ہے یہ گزر و گزار آنکھوں میں
یار تیرے لیئے یہ گوہرِ اشک — تھے برائے نثار آنکھوں میں
اشکِ خونیں کے یہ نہیں قطرے — یہ بھرے ہیں شرار آنکھوں میں

دیکھنا ٹک اثر سے نظریں ملا
کیا ہوئے تھے قرار آنکھوں میں

منفعل تیغ یار کے ہاتھوں — مر گئے انتظار کے ہاتھوں
جان سے ہم تو ہاتھ دھو بیٹھے — اس دلِ بے قرار کے ہاتھوں
روبرو دیکھنا محال ہوا — دیدۂ اشکبار کے ہاتھوں
شعلہ ساں ایک دم قرار نہیں — دل کے اب اضطرار کے ہاتھوں
ایک عالم پڑا ہے گردش میں — گردشِ روزگار کے ہاتھوں

کام اپنا اثر تمام ہوا
اس دلِ نابکار کے ہاتھوں

تو کہاں ہیں کہاں یہ کہتے ہیں — کہ یہ آپس میں دونوں ہنستے ہیں

ایک تیری ہی بات کے لیے ہم   باتیں سو سو سبھوں کی سہتے ہیں
کام اپنا اثرؔ نہ کیوں نکلے
آنسو ایسے نہیں یہ بہتے ہیں

نہ ہم واقف کسو سے نہ کسو سے کام رکھتے ہیں   سوا تیرے بساط اپنی خدا کا نام رکھتے ہیں
فقط تیری نگہ کے مست دورِ جام رکھتے ہیں   نہیں سب اہلِ عالم گردشِ ایام رکھتے ہیں
کبھی ناچار ہو کے شب کو ادھر آ نکلتے ہیں   وگرنہ دن میں لاکھوں بار دل کو تھام رکھتے ہیں
یہ دولت مند ہیں پابندِ انواعِ گرفتاری   چھٹیں گر نہ قید سے کہ لاکھوں دام رکھتے ہیں
اثرؔ جوں حلقہ ہم سے بے سر و پا محوِ وحدت ہیں
نہ کچھ آغاز رکھتے ہیں نہ کچھ انجام رکھتے ہیں

کوئی کھاتا تھا دغا جھوٹی مدارات سے ہیں   آپھنسا دام میں کیا جانیے کس بات سے میں
سخت ناچار ہی تقدیر کے ہاتھوں بندا   ورنہ یوں باز رہوں تیری ملاقات سے میں
کچھ نہ لکھا نہ پڑھا ہوں وے ہوں معنی شناس   مدعا تیرا سمجھتا ہوں عبارات سے میں
پھر تو بس خیر سبھی چاہیے انند اور نجات   گر کہیں چھوٹ سکوں دل کے عذابات سے میں
نظر آتا تھا اثرؔ حال ترا روز بروز
دیکھتا ہوں اسے اب اور طرح رات سے میں

کچھ نہ کچھ تیرے تصور میں بکا کرتا ہوں   روز راتوں کو پڑا راہ تکا کرتا ہوں
کیا کہوں تجھ سے اثرؔ خیر بھلا اور تو او   اپنے احوال پہ میں آپ جھکا کرتا ہوں

ردیف (و)

گرچہ دل میں ہی سدا جانِ جہاں رہتے ہو
پر بظاہر نہیں معلوم کہاں رہتے ہو

شکر للہ کہ ابھی کام تمھیں باقی ہے
لے چکے دل تو وے دیجیے جاں رہتے ہو

آ نکلتے ہو کدھر بھول کے بے خواہشِ دل
اب بھی جاؤ وہیں ہر روز جہاں رہتے ہو

اے خوش ابرو کوئی پھر ڈھب پہ چڑھا تازہ شکار
یوں جو ہر وقت لیے تیر و کماں رہتے ہو

گر کبھی آئے اثرؔ پاس ہمارے تو وہیں اُداس نہ پڑے
خوش شب و روز بڑے اوروں کے ہاں رہتے ہو

نہ لگا لے گئے جہاں دل کو
آہ لے جائیے کہاں دل کو

مجھ سے لے تو چلے ہو دیکھو پر
توڑیو مت کہیں میاں دل کو

آزما اور جس میں چاہے تو
صبر میں کر نہ امتحاں دل کو

یوں تو کیا بات ہی تری لیکن
وہ نہ نکلا جو تھا گماں دل کو

رکھ نہ تو اب دریغ نیم نگاہ
مار مت دیکھ نیم جاں دل کو

آہ کیا کیجیے بیاں بپتا یہ
دل گرفتہ ہی غنچہ ساں دل کو

مر گیا پس گیا نہ کی پر آہ
آفریں ایسے بے زباں دل کو

دشمنی تو ہی اس سے کرتا ہے
دوست رکھتا ہی اک جہاں دل کو

مہربانی تو کی نہ ظاہر میں
رکھیے بارے تو مہرباں دل کو

لیجئے گا نہ لیجئے گا پھر — دیکھئے تو سہی تپاں دل کو
آزمانا کہیں نہ سختی سے — دیکھیو میرے ناتواں دل کو

تو بھی جی میں اُسے جگہ دیجو
منزلت بھی آتش کے ہاں دل کو

ایک تنہا خاطرِ محزوں جیسے افکار سو — ایک مجھ بیمار سے وابستہ ہیں آزار سو
ہے تعجب نوکِ مژگاں سے جو خوں آلودہ ہو — خوں گرفتہ ایک دل اور خنجرِ خونخوار سو
مو بمو کیوں کر نہ ہو مجکو گرفتاریِ زلف — کافرِ عشقِ بتاں میں ایک اور زنار سو

دو بدو کب ہو سکیں اُس کے آتش ہے آنکہ نار
کیا ہوا ہیں دیکھنے کہنے کو گر اغیار سو

حیف میرے یہ آہ کرنے کو — اور تیرے ہنسکے واہ کرنے کو
جی لئے پر بھی رہے دشمنِ جاں — آفریں اس تباہ کرنے کو
بیٹھ کر دل میں دل ہی لیجیے چرا — واہ یوں گھر میں راہ کرنے کو
واہ واہ دل کی دیکھ چاہ کا رنگ — پھر بھی موجود چاہ کرنے کو
آہ ہم روسیاہ جیتے رہے — اور چندے گناہ کرنے کو
ایک دل کے سوا ہیں لاؤں کسے — اُس پہ شاہد گواہ کرنے کو

کس لئے واں چلے آتش مگر اوہ
حال اپنا تباہ کرنے کو

جو سزا دیجے ہے بجا مجکو تجھ سے کرنی نہ تھی وفا مجکو
غم میں بیٹھوں کہاں تئیں بت کے اب اٹھا دے کہیں خدا مجکو
سرد مہری نے تیری اے ظالم آہ کتنا جلا دیا مجکو
گر اسی میں خوشی تمھاری ہے اور بھی کیجئے خفا مجکو
کیوں تو بر ضد جفا ہی کرتا ہے نہیں کچھ دعوۂ وفا مجکو
وہی میں ہوں اثر وہی دل ہے
اب خدا جانے کیا ہوا مجکو

بے گناہوں سے دل کو صاف کرو نہیں تقصیر یہ معاف کرو
کر چکے قتل اثر غریب کے تئیں
اب تو شمشیر کو غلاف کرو

ردیف (ی)

ہر دم فزوں ہیں کجروئیاں روزگار کی کچھ سیکھتا چلا ہے روش میرے یار کی
ہر بار ہر طرح کی پڑی ہیں مصیبتیں پر بے طرح سی آن پڑی اب کی بار کی
جیسے زبانِ شعلہ نہ ہر گز سمجھ سکے کہ سمجھی جائے بات مرے اضطرار کی
ہم بیدلوں کو شکرِ فراغت ہوئی تمام یہ جان رہ گئی تھی سو وہ بھی نثار کی
جھوٹے دروغگو ترے قول و قرار سے نوبت یہ کچھ ہوئی ہے دلِ بے قرار کی

اس پر بھی تیرے آگے میں بے اعتبار ہوں
ہر چند سب میں تیری کہی اعتبار کی

خفت کے مارے کٹ ہی گیا رنگ روئے گل
تقریب کچھ جو آ گئی تیرے عذار کی

اُمیدوار تیرے لب گو ترنگ بھی آہ
ساتھ آرزو لئے گئی بوس و کنار کی

تیری جفا کی حد و نہایت نہیں رہی
نوبت گزر گئی ہے حساب و شمار کی

مانا اثر کہ وعدۂ فردا غلط نہیں
لیکن کٹی نہ آج یہ شب انتظار کی

ٹک آ کے سیر کر جگر داغدار کی
ہوتی ہے یہ بہار کہیں لالہ زار کی

بیٹھا نہ تیری خاطر عالی سوا کہیں
ہے یہ بلند ہمتی اپنے غبار کی

یوں آگ میں سے بھاگ نکلنا نظر بچا
اپنے تئیں تو وضع نہ بھائی شرار کی

جو غنچہ یہاں کھلا تو شگفتہ ہوا وے
وا شد ہوئی کبھو نہ ترے دل فگار کی

سرمہ کرے ہے مردم صاحب نگاہ کا
لیجا نسیم خاک ہمارے فزار کی

ہم سے شکستہ بال اسیروں کے روبرو
ناحق خبر نہ لا کے سنا تو بہار کی

ہر دشت میں ہے میرے قطرۂ خوں فشاں سے
رطب اللسان زبان ہے ہر ایک خار کی

اے شمع دیکھ دولت گریہ نہ ہاتھ سے
یہ روشنی ہے سب قطرۂ اشکبار کی

جوں نقش پا یہ خاک ہوئیں تیری راہ میں
آنکھیں ہیں ایک منتظر خاکسار کی

ہے ایک جہاں عیش لب جنگ سے مگر
گو صلح کل میں ہے سبب اثر اختیار کی

اب آنسو کہاں دیدۂ گریاں جو نکالے ۔۔۔ یہ اشک نہیں پھوٹ بہے دل میں کے چھالے
دل اپنا پڑا اُس بتِ بے مہر کے پالے ۔۔۔ دشمن کو بھی حق سے کہ خدا کام نہ ڈالے
مشکل ہے مری جان کسو دل کا اُڑانا ۔۔۔ یوں مفت پڑا تو نہیں جو کوئی اُٹھالے
جوں نقشِ قدم خاک نشیں ہم ترے در کے ۔۔۔ اُس جا پہ مٹیں پر نہ ٹلیں سو کوئی ٹالے
ساقی مئے جلوے سے انھیں کیجیے مملو ۔۔۔ ہیں خالی پڑے مثلِ حباب آنکھوں کے پیالے
سب جیلے حوالے سے تمھارے ہوں ہیں واقف ۔۔۔ مت آیئے پر دل تو مرا کیجیے حوالے
پل مارتے یوں ہو گئے با خاک برابر ۔۔۔ وہ طفلِ سرشک اپنے جو ہیں آنکھوں میں پالے
یک جلوہ دکھاتے ہی ہوا آنکھ سے غائب ۔۔۔ ٹک نام تبا دل کو چرا بھاگنے والے

دل نکلے پڑے ہے یہ ادھر اور ادھر آنسو
بے چارہ اثرؔ کیا کرے کس کس کو سنبھالے

بیکسی میں اثرؔ یگانا ہے ۔۔۔ دل بھی اس کا نہیں یگانا ہے
غرض آئینہ داریِ دل سے ۔۔۔ تیرا جلوہ تجھے دکھانا ہے
مثلِ نقشِ قدم میں جب تئیں ہوں ۔۔۔ آنکھیں ہیں اور یہ آستانا ہے
یہی تارِ نفس کی آمد و شد ۔۔۔ جامۂ تن کا تانا بانا ہے
گلے ملنا نہ گو کہ ہاتھ لگے ۔۔۔ لیک منظور دل ملانا ہے
نام عنقا نشان تیرے کا ۔۔۔ جوں نگیں دل میں آشیانا ہے
دوست دشمن سبھی ہوئے ہیں ترے ۔۔۔ کیا بُرائی کا اب زمانا ہے

دل گم گشتہ کو میں ڈھونڈھوں کہاں — نہ کہیں ٹھور نے ٹھکانا ہے

ہے دیوانہ بکارِ خود ہشیار

یہ نہ سمجھو **اؔختر** دیوانا ہے

روز اٹھ کر نیا بہانا ہے — کام میرا غرض بہانا ہے
راہ تکتے ہی تکتے ہم تو چلے — آئیے بھی کہیں جو آنا ہے
نہ ملوں جب تلک کہ تو نہ ملے — اب یہی قصد جی میں ٹھانا ہے
کبھو میرا بھی کہنا مانئے گا — جو کہا تو نے میں نے مانا ہے
وعدے کر انتظار میں رکھنا — نت نئی طرح کا ستانا ہے
دل گیا جی بھی اب ٹھکانے لگا — تس پہ بھی باقی آزمانا ہے
تیرے در پر لبانِ نقشِ قدم — نقش اپنا ہمیں بٹھانا ہے
ہر طرف توڑ جوڑ کرتے ہو — دلبری ایک کارخانا ہے

تیری عیّاریوں کی باتیں **اؔختر**

سب سمجھتا ہے گو دیوانا ہے

نفع یہاں تو گمان اپنا ہے — سود بے شک زیان اپنا ہے
شورشِ اشک و آہ کی دولت — سب زمین آسمان اپنا ہے
تیرے کوچہ میں مثلِ نقشِ پا — ہر قدم پہ مکان اپنا ہے
ایک دم سے لگی ہے کیا کیا کچھ — جان ہے تو جہان اپنا ہے

خوب اپنے تئیں سمجھتا ہے — ہر کوئی قدردان اپنا ہے
مددِ اشک سے بسانِ حباب — جسم تختِ روان اپنا ہے
جس تلک ہووے تجھ تلک پہنچیں — بس یہی آرمان اپنا ہے
ہاتھ میں رکھ میاں نگینِ دل — اس میں نام و نشان اپنا ہے
غیر کا تو کہاں سے دوست ہوا — دشمن اپنا گمان اپنا ہے
دل نیں مجھ سے اثر کیا سو کیا
کیا کہوں مہربان اپنا ہے

دل جو یوں بے قرار اپنا ہے — اس میں کیا اختیار اپنا ہے
جو کسو کا کبھو نہ دوست ہوا — وہی قسمت سے یار اپنا ہے
روز و شب آہ و نالہ و زاری — اب یہی کاروبار اپنا ہے
بے وفائی وہ گو ہزار کرے — یہاں وفا ہی شعار اپنا ہے
سب یہ اپنا ہی واسطہ ہے دوست — ہر کوئی دوستدار اپنا ہے
اس گلی میں نہیں یہ نقشِ پا — ہر قدم پر مزار اپنا ہے
کاش امید ہووے کشتۂ یاس — دشمن اب انتظار اپنا ہے
ہووے تر وارِ آبدار کا وار — اس میں بیڑا ہی پار اپنا ہے
مثلِ لالہ چھپاؤں کیونکے اثر
داغِ دل آشکار اپنا ہے

لیا ہے دل ہی فقط اور جان باقی ہے ابھی تو کام تمھیں مہربان باقی ہے
اثر غریب میں جب تک کہ جان باقی ہے تیری وہی روشِ امتحان باقی ہے
نہیں ہے سینۂ سوزاں میں آہ دل کا نام مگر یہ ایک جلے کا نشان باقی ہے
ٹھکانے دل تو لگا جی کہیں ٹھکانے لگے مجھے بس ایک یہی آرمان باقی ہے
کبھو جفا کے سوا تجھ سے کچھ نہیں دیکھا یہ تو بھی مجکو وفا کا گمان باقی ہے
خموش ہے نہ کوئی دے ہے سوزِ دل جوں شمع یہی بیان ہے جب تک زبان باقی ہے

اثر کا حال بھلا ٹک تو کچھ سنا ہوتا
ابھی تو اس کی بہت داستان باقی ہے

ہم غلط احتمال رکھتے تھے تجھ سے کیا کیا خیال رکھتے تھے
نہ سنا تو نے کیا کہیں ظالم ورنہ ہم عرضِ حال رکھتے تھے
نہ رہا انتظار بھی اے یاس ہم امیدِ وصال رکھتے تھے
جوہر آئینہ نیں دکھلایا سادہ رو جو کمال رکھتے تھے
نہ سنا تھا کسو نے یہ تو غرور سبھی دلبر جمال رکھتے تھے

آہ وہ دن گئے کہ ہم بھی اثر
دل کو اپنے سنبھال رکھتے تھے

ہیں تجھے واہ کیا تماشا ہے ذہن میں آشنا ترا شا ہے
ہاتھ میں رکھیو تو سنبھالے ہوئے دل تو میرا یہ شیشہ باشا ہے

تو جو تولے ہی میرے من کی چاہ — کچھ ترے ہاں بھی تولا ماشا ہے
کیا کہوں تیری کاوشِ مژہ نے — کس طرح سے جگر خراشا ہے

خیر گزرے اثرؔ تو ہی بیباک
اور وہ شوخ بے تحاشا ہے

اسبابِ کوچ سارے سرانجام کر چلے — جس کام کو ہم آئے تھے سو کام کر چلے
ہم سے کسو طرح نہ کٹے گی شبِ فراق — اس پہ نہ جا کہ روز کیا شام کر چلے
ہم بعدِ مرگ واہ خدا سے نہ پائیں گے — کچھ زیست میں بتوں کے تئیں رام کر چلے
رسوائے خلق میں تو بھلا تھا یہ میرے ساتھ — تجھکو یہ لوگ مفت میں بدنام کر چلے

مرنے کے آئے دن اثرؔ اب آنکھ کھولئے
غفلت کے ہاتھوں بس بہت آرام کر چلے

جو بات ہے تیری سو نرالی — عشاق کشی نئی نکالی
تیرِ مژگاں بھی ہے اُس پر — ابرو کی تیغ بھی سنبھالی
سمجھے ہے ظاہرا وہ دل کی — دیتا ہے جو در جواب گالی
ناخن زن ہیں بدل یہ انگشت — یہ صرف نہیں حنا کی لالی
ہیں روزِ ازل سے ہم گرفتار — دیکھی نہ کبھو فراغ بالی
تو تو ہے ہی یہ میں بھی پیارے — ہوں بے پروائی لا ابالی
کس طرح دکھاؤں آہ تجھکو — ہیں اپنی یہ خراب حالی

ہم ہیں بندے دنی و اسفل　　اور آپ کا ہے مزاج عالی
آئینۂ دل میں محو ہو کر　　صورت ہی کچھ اور اب نکالی
ہے تجھ سے ہی عاشقوں کی خوبی　　یا حضرتِ درد میرے والی
دیوانِ اثرؔ تمام دیکھا
ہے اس میں ہر ایک شعر حالی

اب غیر سے بھی تیری ملاقات رہ گئی　　سچ ہے کہ وقت جاتا رہا بات رہ گئی
تیری صفات سے نہ رہا کام کچھ مجھے　　بس تیری صرف دوستی بالذات رہ گئی
کہنے لگا وہ حال مرا سن کے رات کا　　سب قصے جا چکے یہ خرافات رہ گئی
دن انتظار کا تو کٹا جس طرح کٹا　　لیکن کسو طرح نہ کٹی رات رہ گئی
بس نقدِ جاں ہی صرف اثرؔ نے کیا نثار
غم کی ترے سب اور مدارات رہ گئی

اثرؔ اب تک فریب کھاتا ہے　　تیری باتوں کو مان جاتا ہے
دل کڑا کر کے تجھ سے کچھ تو کہوں　　جی میں سو بار یہ ہی آتا ہے
خوش گزرتی نہیں ہے کوئی آن　　اشتیاق اب نپٹ ستاتا ہے
دل کو وعدے سے کل نہیں ہوتی　　روز تو آج کل بتاتا ہے
بتِ کافر کی بے مروتیاں　　یہ ہمیں سب خدا دکھاتا ہے
دل مرا تو نے ہی چرایا ہے　　نہیں یوں نظریں کیوں چراتا ہے

میں بھی ناصح اُسے سمجھتا ہوں　　گو بُرا ہے پہ مجکو بھاتا ہے
تیرے در پہ میں کب کب آتا ہوں　　دل مجھے بار بار لاتا ہے
نالہ و آہ کو مرے سن کر　　کہتے ہو یہاں کسے سناتا ہے
روز و شب کس طرح بسر میں کروں　　غم ترا اب تو جی ہی کھاتا ہے
دلِ ناقدرداں یہ گوہرِ اشک　　نت یوہیں خاک میں ملاتا ہے
جی ہی جاتا ہے دمبدم میرا　　تجکو باور نہیں یہ آتا ہے
شمع رو دل یہ مثلِ پروانہ　ق　ناحق اپنے تئیں جلاتا ہے
تیری ان شعلہ خوئیوں کے حضور　　بے طرح تجھپہ جی جلاتا ہے
ناجاتا

کیا کروں آہ میں اثر کا علاج
اس گھڑی اُس کا جی ہی جاتا ہے

کام کیا تجکو آزمانے سے　　قتل کرنا ہے ہر بہانے سے
جی میں اپنے جو ہے سو ہے پیارے　　فائدہ کیا تجھے جتانے سے
خوب آزاد کر دیا مجکو　　غم میں تیرے غمِ زمانے سے
کوئی اس کو سند نہیں رکھتا　　کچھ بھی حاصل ہے جی جلانے سے
حال اپنا ہزار دکھلایا　　باز آیا نہ تو ستانے سے
جی ہی جاتا رہا پہ تو نہ پھرا　　باز آئے ہم ایسے آنے سے
چاہنا عقل و ہوش کی باتیں　　نہیں معقول کچھ دوانے سے

یار غصہ تری بلا کھاوے　　کام نکلے جو مسکرانے سے
اپنے جانے کی مت سنا ہم کو　　جی ہی جاتا ہے تیرے جانے سے

دیکھئے آہ اس کی خاطر جمع
کب آتش ہو گی آزمانے سے

گو کہ تو ہاتھ اٹھائے نہ جفاکاری سے　　باز آتا ہوں کوئی میں بھی وفاداری سے
بن لئے آپ میں دیتا ہوں منت سے دل　　اپنی دانست میں لیتا ہے وہ عیاری سے
اور تو کوئی نہیں دام قفس دامن گیر　　تنگ آیا ہوں فقط دل کی گرفتاری سے
سیدھی انصاف سے کہتا نہیں کوئی میری　　الٹی کہتے ہیں سبھی تیری طرفداری سے
اور تو کیا کہوں خوبی ترے منہ پر تیری　　بے طرح دل میں جگہ کی ہے طرحداری سے
واہ زاہد بھی عجب زور فرشتہ ہے کوئی　　باز آتا ہی نہیں طعن گنہگاری سے

نہ ترا زور چلے اس پہ نہ تجھ پاس ہے زر
کوئی آتا ہے آتش یار فقط زاری سے

تو مری جان گر نہیں آتی　　زیست ہوتی نظر نہیں آتی
دلربائی و دلبری تجھکو　　گو کہ آتی ہے پر نہیں آتی
حال دل مثل شمع روشن ہے　　گو مجھے بات کر نہیں آتی
ہر دم آتی ہے گرچہ آہ پر آہ　　پر کوئی کارگر نہیں آتی
کیا کہوں آہ میں کسو کے حضور　　نیند کس بات پر نہیں آتی

نہیں معلوم دل پہ کیا گزری ان دنوں کچھ خبر نہیں آتی
کیجے نامہربانی ہی آکر مہربانی اگر نہیں آتی
دن کٹا جس طرح کٹا لیکن رات کٹتی نظر نہیں آتی
ظاہرا کچھ سوائے مہر و وفا
بات تجکو اثرؔ نہیں آتی

نہ کیا کچھ علاج آنکھوں سے جا چکا دل ہی اب تو قابو سے
دل ہے یا یہ کوئی چھالا ہے نکلے پڑتا ہے آہ پہلو سے
تیرے فریادیوں کی ہاں شب و روز نہیں لگتی زبان تالو سے
حرف نکلا نہ اُس دہن سے کبھو کام نکلے ہی چشم و ابرو سے
اثرؔ اُس چشم شوخ فتّاں کے
نہ بچا کوئی سحر جادو سے

کام باقی ابھی تو قاتل ہے زخمی تیرا یہ نیم بسمل ہے
نگہ گرم سے پگھلتا ہے دیکھ یہ آئینہ نہیں دل ہے
تجھ تلک غیر کی پہنچ ہو کہاں یہ بھی اپنا گمان باطل ہے
نہ ملو یا ملو غرض ہر طرح تم کو آسان مجکو مشکل ہے
دل کا آئینہ نت ہی جلوہ فروش کسو منہ کے تو یہ مقابل ہے
جیب و دامان تار تار کیا بارے اتنا تو ہاتھ قابل ہے

چیونٹیاں سے ہیں یہ طعام تلاش جس طرف دیکھیے ہی کل بل ہے
ٹھہرے اودھر ہے مثلِ قبلہ نما دل مرا ایک سو ہی مائل ہے
باد جو دیکھ وہاں نہ ہجر نہ وصل کوئی مہجور کوئی واصل ہے
آنکھ اوجھل ہیں یوسف و لیلی جلوہ کر پیرہن ہی محمل ہے
کچھ محیط و حباب میں نہیں سد اپنی ہستی کا پردہ حائل ہے

مفت بر ہیں اثر سبھی دلبر
دل کو ان سیتے کچھ بھی حاصل ہے

آہ کیجے کہ نالہ سر کیجے زندگی کس طرح بسر کیجے
قصدِ ہمراہیِ شرر کیجے کھولیے آنکھ اور سفر کیجے
جور جو چاہیئے سو کیجے پر میری حالت پہ بھی نظر کیجے
کبھو ادھر نہیں گزرتے ہو کب تلک آہ در گزر کیجے
شمع ساں زیست ہی گداز اپنا جب تلک ہووے چشم تر کیجے
لے چکے دل بھلا مبارک ہو آیئے اب کے قصدِ سر کیجے
یہاں سے اوڑیئے بسانِ طائرِ رنگ بے پر و بالی بال و پر کیجے
اتنا تبلا کہ غم غلط پیارے کونسی تیری بات پر کیجے
تن بہ تقدیر اور رضا بہ قضا جس قدر رہو وے اُس قدر کیجے
روئیے کب تلک زبے اثری آہ کیجے تو کار گر کیجے

کون سُنتا ہے یہاں کسو کی بات
بس اثرؔ قصّہ مختصر کیجے

ہم سے اجل نصیب کے بن مارے مر چکے　　اب تیغ کھینچیے کہ ڈرائے سے ڈر چکے
ساقی بھرے ہے کس کے لئے اب تو جامِ مے　　لب تشنہ تیرے اپنا تو عرصہ ہی بھر چکے
بنتی نہیں ہے اب تو کچھ اقرار کے سوا　　جائے گریز پائے جہاں تک مُکر چکے
یہ نالے گو نہوں ترے نزدیک کارگر　　یہاں چھوٹتے ہی کام ہمارا تو کر چکے
کرتی ہے تیغ گر تری ایسا ہی انفصال　　تو قصے سب جہان تئیں سر بسر چکے

ہم دل گداز گو ہر اشکِ چکیدہ ہیں
لگ کے اثرؔ نجاک نظر سے اتر چکے

لوگ کہتے ہیں یار آتا ہے　　دل تجھے اعتبار آتا ہے
دوست ہوتا جو وہ تو کیا ہوتا　　دشمنی پر تو پیار آتا ہے
تیرے کوچہ میں بے قرار ترا　　ہر گھڑی بار بار آتا ہے
زیرِ دیوار تو سُنے نہ سُنے　　نام تیرا پکار آتا ہے

حال اپنے پہ مجکو آپ اثرؔ
رحم بے اختیار آتا ہے

جب کہ ایدھر تری نگاہ پڑی　　میرے ہی دل پہ میری آہ پڑی
بے طرح کچھ مرے ہی جاتا ہے　　دل پہ حالت عجب تباہ پڑی

تو کرے اب نباہ یا نہ کرے   اپنے ذمّے تو یہاں نباہ پڑی

دمبدم یوں جو بدگمانی ہے   کچھ تو عاشق کی تجھکو چاہ پڑی

تیرے کوچہ میں جائے بن نہ رہے

اب تو وہاں کی اثر کو راہ پڑی

خفا اُس سے کیوں تو مری جان ہے   اثر تو کوئی دم کا مہمان ہے

ترے عہد میں سخت اندھیر ہے   کہ عشق و ہوس ہر دو یکسان ہے

کہوں کیا خدا جانتا ہے صنم   محبّت تری اپنا ایمان ہے

دل و غم میں اور سینہ و داغ میں   رفاقت کا یہاں عہد و پیمان ہے

تجھے بھی کبھو کچھ میرا ہے خیال   مجھے مرتے مرتے ترا دھیان ہے

نہ دیکھا پھر آخر کہ مشکل پڑی   ادھر دیکھنا ایسا آسان ہے

قیامت یہی ہے کہ ابرو کماں   تجھے جنّیں دیکھا سو قربان ہے

گلوں کی طرح چاک کا اے بہار   مہیّا ہر ایک یہاں گریبان ہے

بھلا دید کر لیجئے مفت ہے   کہ اب تک ستمگر وہ انجان ہے

مجھے قتل کرتے تو اونیں کیا   پر اپنے کئے پر پشیمان ہے

نہیں ہے یہ قاتل تغافل کا وقت   خبر لے کہ باقی ابھی جان ہے

تأمل کہاں ورنہ جوں غنچہ یہاں   جو سر ہے سو غرقِ گریبان ہے

یہ کیا ہو گیا دیکھتے دیکھتے   اثر میں تو ہیں وہ بھی حیران ہے

اے بتاں اُلٹی ہی خدائی ہے
باوفاؤں سے بے وفائی ہے

دشمنی بھی ہے جس کے آگے گرد
یہاں وہ کہنے کو آشنائی ہے

آج ادھر کدھر کو بھول پڑے
سچ کہو کیا یہ جی میں آئی ہے

بات میری جواب نہیں سنتا
کچھ کسو نیں مگر سنائی ہے

شرم تیری یہ سب کہے دے ہے
جو مرے دل کی بات پائی ہے

غم ترا ملکِ دل کو لوٹ گیا
کچھ نہ چھوڑا تری دہائی ہے

دل بدل ہی رہے ہیں آپس میں
اب تو بے فائدہ جدائی ہے

مجھ سے آ کر کبھو نہیں ملتا
ایک تجھ میں یہی برائی ہے

سیکھ لیجے ٹک ایک دلداری
دلربائی تو خوب آئی ہے

سادہ روؤں سے کچھ نہ چاہ **اثر**
وہاں سبھی بات کی صفائی ہے

اتنا کوئی پوچھے بے وفا سے
منظور ہے کیا تجھے جفا سے

اس کوچہ میں ہیں ہزارہا دل
ہر سو افتادہ نقشِ پا سے

بیگانہ تو کس حساب میں ہے
رکھی نہ توقع آشنا سے

ہوتا ہی تو اس میں بھی مکدّر
جو بات کریں کہوں صفا سے

اس طرح جو کوئی ہووے صدقے
ہونے دے تو تری بلا سے

یہ شان و شکوہِ حسن تس پہ
دل لیجے غریب کا دغا سے

افسوس کہ ان بتوں کے ہاتھوں
اب آن بنی اثرؔ خدا سے

آسودگی کہاں جو دلِ زار ساتھ ہے
مرنے کے بعد بھی یہی آزار ساتھ ہے
انجام ہو بخیر الٰہی بُرے ہیں ڈھنگ
ہر روز کار ایسے جفا کار ساتھ ہے
گر صرف دل میں چشمۂ خوں ہو تو خشک ہے
طوفاں یہ ہے کہ دیدۂ خونبار ساتھ ہے
دیکھیں بھلا ٹک ایک تو جفا کیجے اور سے
کیا شیخی ساری اس ہی گنہگار ساتھ ہے
اے شانہ زلفِ یار سے پیچش نہ کیجیو
وابستہ میری جان ہر ایک تار ساتھ ہے
جنت ہے اُس بغیر جہنم سے بھی زبوں
دوزخ بہشت ہے گی اگر یار ساتھ ہے
مشکل ہے تا کہ ہستی ہی جاوے خودی کا ترک
تارِ نفس نہیں ہے یہ زنار ساتھ ہے
ہوتی ہے بات بات میں وہ چشم خشمگیں
صحبت اثرؔ ہمیں سدا بیمار ساتھ ہے

آپہی نہ جل بجھے نہ کچھ اُس دل میں راہ کی
اس پر کہیں گے آہ کہ ہم نے بھی آہ کی
ہیں اور مجھ سے آہ ترے یہ سلوک ہیں
افسوس قدر جانے نہ تو میری چاہ کی
نیکی کوئی سوائے ندامت نہیں ہے یہاں
طاعت مری کے سر پہ ہے منت گناہ کی
نالاں نہیں ہے آہ عبث یوں دلِ جرس
گم گشتگاں سنو کہ یہ کہتا ہے راہ کی
کس کس کا آج دیکھئے خانہ خراب ہو
بے طرح کچھ طرح ہے اب اُس کے نگاہ کی
پہنچی نہ وہ بھی آہ ترے کان تک کبھی
مدت کے بعد آہ جو ہم سر براہ کی

چھوڑی نہ تو جفا کبھو بھولے نہ کی وفا — اے بے ثبات اُس کی ہی کیونکر نباہ کی
چھپ چھپ کے دیکھنے کے مزے سب ہیں اے اثر
معلوم ہونگے جو کبھو اُننیں نگاہ کی

محروم نہ رکھ جرسِ فغاں سے — ہوں دُور فتادہ کارواں سے
جوں شمع سوائے سوز کچھ اور — نکلا ہی نہیں میری زباں سے
معلوم نہیں کہ تجھکو قاتل — کیا کام ہے مجھ سے نیم جاں سے
یا اپنے نہیں ہے دم میں تاثیر — یا اُٹھ ہی گیا اثر فغاں سے
کچھ شرم بھی ہے تجھے فلک واہ — زور آوری مجھ سے ناتواں سے
رہیو کنجِ قفس سلامت — کیا کام بہار اور خزاں سے
کچھ بھی یہ سلوک ہے مناسب — ہم سے آفت رسیدگاں سے
جز درد و بلا و محنت و غم — مت پوچھ غم آزمودگاں سے
جب اُس کو اثر اثر نہ ہووے
کیا فائدہ نالہ و فغاں سے

کہیں ظاہر یہ تیری چاہ نہ کی — مرتے مرتے بھی ہمنیں آہ نہ کی
تو نگہ کی نہ کی خدا جانے — ہم تو ڈر سے کبھو نگاہ نہ کی
سب کے جی میں یہ نالہ ہو گزرا — ایک تیرے ہی دل میں راہ نہ کی
آہ مر گئے یہ ناتوانی سے — ایک بھی آہ سر براہ نہ کی

وہ کسو اور سے کرے گا کیا
جنّیں تجھ سے اثرؔ نباہ نہ کی

اثر کیجیے کیا کدھر جائیے — مگر آپ ہی سے گزر جائیے
کبھو دوستی ہے کبھو دشمنی — تری کونسی بات پر جائیے
مرا دل مرے ہاتھ سے لیجے اور — ستم ہے مجھی سے مکر جائیے
کئے روز کی زندگانی ہے یہاں — بنے جس طرح زیست کر جائیے

اثرؔ ان سلوکوں پہ کیا لطف ہے
پھر اس بے مروت کے گھر جائیے

صرفِ غم ہمنیں نوجوانی کی — واہ کیا خوب زندگانی کی
اپنی بیتی اگر میں تجھ سے کہوں — بات نبڑے نہ اس کہانی کی
تیرے داغوں کی اے غمِ الفت — خوب ہم نے بھی باغبانی کی
جوں نگہ دل گیا ہے آنکھوں کی راہ — گرچہ ہم نے نگاہبانی کی
کس کے ہاں تم کرم نہیں کرتے — کبھو ایدھر نہ مہربانی کی
اپنے نزدیک دردِ دل میں کہا — تیرے نزدیک قصہ خوانی کی
ہرزہ گوئی سے مجکو ہی نجات — ہیگی منت یہ بے زبانی کی
نہیں طاقت کہ دم نکال سکوں — اب یہ نوبت ہے ناتوانی کی
اثرؔ اس حال پہ بھی جیتا ہے — کیا کہوں اس کی سخت جانی کی

تیرے کوچہ میں جا کے جو بیٹھے — جان سے اپنی ہاتھ دھو بیٹھے

سب کا آوے نظر ثبات و قرار — گر ابھی وہ دو چار ہو بیٹھے

روزِ اول ہی جا چکا تھا دل — آخر اب جان کو بھی رو بیٹھے

اپنی قسمت ہی اُٹھی ہے شاید — اُس کے کوچہ میں آنے جو بیٹھے

ہمنشیں اب تو میرے پاس سے تم — بیٹھو تو اُس کی کچھ کہو بیٹھے

حال اپنا کسو سے کیا کہئے — ایک دل تھا سو وہ بھی کھو بیٹھے

گو مٹیں ہم برنگِ نقشِ قدم — پر ترے در پہ آج تو بیٹھے

قطع سر سے کرے وہ راہِ عشق — شمع ساں پانو گاڑ جو بیٹھے

اُٹھ گیا دل تو ساری باتوں سے — ناصحو چاہو سو بکو بیٹھے

اپنی آنکھوں کی طرح رو رو کے — ایک عالم کو ہم ڈبو بیٹھے

اُٹھے جاتے ہیں یہاں سے جوں شعلہ — شمع کی طرح ہم ہیں گو بیٹھے

عہد و پیماں پہ انتظار میں یہاں — اے دل و دیدہ تم ہو رو بیٹھے

اُٹھ گیا سب جہاں سے قول و قرار — یاد وعدے کیا کرو بیٹھے

اب اثر میں بہت نہیں باقی
آن کی آن ٹک رہو بیٹھے

تیرے وعدوں کا اعتبار کسے — گو کہ ہو تابِ انتظار کسے

ایک نظر بھی ہے دید مفت نظر — اتنی فرصت بھی اے شرار کسے

جوں نگیں یہاں سوائے رو سیہی   دہر کرتا ہے نامدار کسے
دل تو ڈوبا اب اور دیکھیں ڈبائیں   یہ مری چشم اشکبار کسے
تیرے وعدوں کو میں سمجھتا ہوں   دھوکا دیتا ہے میرے یار کسے
تو بغل سے گیا تھا دل بھی گیا   اور لے بیٹھوں در کنار کسے
میں تو کیا اور بھی سوائے صبا   تیرے کوچے تلک گزار کسے
دیکھتا ہی نہیں وہ مستِ ناز   اور دکھلاؤں حالِ زار کسے

خوب دیکھے اثر نے قول و قرار
اب ترے قول پہ قرار کسے

دل پر جو یہ جور یہ جفا ہے   تقصیر یہی کہ باوفا ہے
ہر چند مرا تو خوں کیا ہے   پر کس کے مذہب میں یہ روا ہے
رکھتا ہے دریغ تو نگہ بھی   تجھ پر اپنا تو جی فدا ہے
جو کچھ کہ صفا ہے مرے دل کی   آئینہ میں یہ کہاں صفا ہے
اتنی اے حباب سرکشی کیا   کوئی دم میں یہ دم ہوا ہے
کتنیں توڑا ہے اس طرح دل   ٹکڑا ٹکڑا جدا جدا ہے

کچھ خیر تو ہے بتا یہ مجھکو
اتنا کیوں تو اثر خفا ہے

اب شوقِ چمن کسے رہا ہے   اپنا جی خاک ہو گیا ہے

اتنا بھی ظلم کیا بلا ہے   یہاں ایک ادا میں کام ادا ہے
اس بحر میں جوں حباب سب ہے   سر میں بھری اور ہی ہوا ہے
اب اس میں ہوس ہی خام کیسی   سینہ سارا تو تپک رہا ہے
دل آپ میں آپ پھر نہ آیا   کس کے یہ سراغ میں گیا ہے
توڑا کہ بدل لیا مرا دل   سارا تھا جب کہ میں دیا ہے
یہ دیدہ ہے یا کوئی ہے طوفاں   یہ دل ہے یا کوئی بلا ہے

کچھ اور ہی ہوا ہے حال میرا
جب سے حالِ **اثر** سنا ہے

دل پر جو مرے سدا جفا ہے   کیا اس لئے میں تجھے دیا ہے
اے رونقِ بزم جب سنا ہے   مذکور ترا ہی جا بجا ہے
کچھ اور نہیں جفا کی حاجت   صدقے میں اگر یہی وفا ہے
تیرے آگے تو خاک ہے دل   اپنے نزدیک کیمیا ہے
گزرے ہم آشنائی سے ہی   تجھسا ہی اگر جو آشنا ہے
ظاہر ہے مرے تو دل کی تجھ پہ   کیا جانئے تیرے جی میں کیا ہے

ہم کو تو نہ تھی **اثر** کی امید
کیا جانئے کس طرح جیا ہے

کچھ بھی تجھے مہر یا وفا ہے   یا یہ ہی بساط میں جفا ہے

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے　　بندا بندا خدا خدا ہے
قامت ہے یا کوئی قیامت　　آفت ہے یا کوئی بلا ہے
مدت گزری کہ دل بغل میں　　معلوم نہیں نہیں ہے یا ہے
میں اور ترا کروں گا شکوہ　　جنّیں یہ کہا غلط کہا ہے
ہنستے ہی مثلِ زخم رہیے　　گو سینہ چاک ہو رہا ہے
اُس کو بھی کبھو تو شاد کیجے
کیا غم کے لئے اثرؔ بنا ہے

آسودگی ہماری قسمت میں یہاں نہ وہاں ہے　　مر بھی چکے پہ وہی نالا ہے اور فغاں ہے
اے شمع رہ چکی تو گر تیری یہ زباں ہے　　انجام دیکھ اُس کا اب دمبدم عیاں ہے
سو بار سو طرح کی دیکھیں ہیں گو جفائیں　　تس پہ بھی دیدہ و دل آشفتہ بیاں ہے
ظاہر ہے سب اسی پہ دیکھے ہیں سب گوے وہی　　جوں نورِ دیدہ لیکن نظروں سے خود نہاں ہے
ہم عشق میں جو دیکھا ہے مرگ زندگانی　　ہے رنج یہاں تو راحت اور منفعت زیاں ہے
ہے بس کہ اے اثرؔ یہ ناکارہ غرقِ غفلت
جوں پائے خفتہ مجکو میرا بدن گراں ہے

رقیبوں نے حماقت سے تو یہاں تک پاسبانی کی　　کہ اُس نامہرباں نے ضد سے آخر مہربانی کی
نہ قصد اپنا کہ دل دیجے نہ قصد اُس کا کہ جی لیجے　　مصیبت کیا بیاں کیجے بلائے ناگہانی کی
حقیقت جب کھلی دل پر ہوا معلوم تب ہم کو　　کدھر کا عشق وے باتیں تھیں ترنگیں جوانی کی

ہمیں حیرت ہے آپ ہی تجکو دیویں کیا جواب اسکا
کہ تجھ بن تا تلک کس طرح ہمنیں زندگانی کی

نہ کی ہر چند تو نے بیدلوں کی اپنے دلداری
فضولی کر کے بیجا تو نے اس پر جانفشانی کی

جو کچھ مجھ سے کیا تو نے کسو سے کوئی کرتا ہے
مری صادق محبت کی بھلا تک قدر دانی کی

کبھی تو شوخ چشمی کو بھی فرما تک خبر لیوے
تغافل نے تو ایدھر ایک مدت ظلم رانی کی

اثر احوال میرا رحم کھا کر کون سنتا ہے
مگر یہ جان کر کچھ بات ہے شاید کہانی کی

کیا کہوں میں ہجر کی شب کیسی وو بھر ہو پڑی
شمع بھی احوال میرا دیکھ جل کر رو پڑی

آپ میں کہنے لگوں سو ہے کہاں میری مجال
پوچھے تو احوال میرا ایسی کیا تجکو پڑی

دل کا جانا اس طرح تیرا نہ آنا اس طرح
کیا کہوں ہر طرح ایسی ہی پڑی یہاں جو پڑی

آہ ملئے تو ستم ہے ورنہ ملئے تو غضب
کچھ نہ پوچھو دل کی حالت بے طرح اب تو پڑی

باغ میں تیرے سبب سے بلبلوں کے دیکھتے
ایک سرے سے اوس پھولوں پر سرے گر پڑی

اب کسو کے تھانبے تھمتا ہے یہ دیوانہ کوئی
اس گلی میں جا ہی رہنے کی اثر کو خو پڑی

دیجئے رخصت بوسہ نہیں لے بیٹھیں گے
پیالے یہ یاد رہے جان بھی دے بیٹھیں گے

پائے دیوار کھڑے رہنے نہ دیجے بہتر
اور رہٹ کر ترے کوچہ میں پرے بیٹھیں گے

بے سر و پا ہیں کہاں جائینگے جوں نقش قدم
خاکپا ہم ترے قدموں ہی تلے بیٹھیں گے

آتش عشق ترے سوختگاں جوں شعلہ
جب تلک ہیں کوئی آرام سے نے بیٹھیں گے

رو بروُ اس کے اثرؔ آپ بایں زندہ دلی
کب تلک دل کے تئیں مارے ہوئے بیٹھیں گے

کیا دھر کی خوشی کہاں کی شادی — جب دل سے ہوس ہی سب اڑا دی
تا ہاتھ لگے نہ کھوج دل کا — عیار نیں زلف ہی اٹھا دی
پل مارتے خاک میں ملایا — ٹک ہنس کے جدھر نظر ملا دی
یا رب سوا لقاءِ وجہک — لا مقصودی و لا مرادی
دیتے ہو کسے یہ بد دعائیں
کیا پیارے اثرؔ نیں پھر دعا دی

یاراں ٹک ایک غلطیِ افہام سمجھئے — آنکھوں کو اُس کی نرگسِ بادام سمجھئے
پرواز تو یہاں سبب قید و بند ہے — اپنے ہی بال و پر قفس و دام سمجھئے
ناحق کا جھوٹ موٹھ دھرانا کہاں تلک — حاضر ہی بندگی میں یہ ناکام سمجھئے
تیری جنابِ پاک کا بندا ہوں میں مجھے — اپنا غلام بے درم و دام سمجھئے
عالم تمام مظہرِ اسما ہی بسکہ ہے — کیونکر کسو ہی چیز کو بے نام سمجھئے
ہر خاص میں عموم ہے ہر عام میں خصوص — انساں کو خاص سمجھئے یا عام سمجھئے
صد حیف قدرِ مرگ ذرا بھی نہ جانئے — اور سونا استراحت و آرام سمجھئے
قسمت کا کم زیادہ ہی ساقی کے ہاتھ ہیں — اپنی تو سرنوشت خطِ جام سمجھئے
اپنے اثرؔ تقلبِ حالاتِ قلب کو — فہمِ غلط سے گردشِ ایام سمجھئے

مت پوچھ کٹی رات یہ کیس طرح تو ہم سے
جس طرح کٹی کٹ گئی پر قہر و ستم سے

اے جانِ جہاں یہ ہو سلامت تو جہاں تک
اے خوبیِ عالم یہ سبھی تیرے ہی دم سے

جو خاک بسر آکے لگے قدموں سے تیرے
جوں نقشِ قدم ٹل نہ سکے زیرِ قدم سے

پوچھوں ہوں بھلا اُس سے اثرؔ اپنی حقیقت
آ جائے اگر ہستی میں کوئی بھی عدم سے

وہ کون لوگ ہیں جو تجکو دیکھ سکتے ہیں
نگاہ کرتے ہی اپنا تو جی ہی جاتا ہے

پڑی ہی تازہ کسو سے معاملت درپیش
میری وفا کو جو مذکور ہیں تو لاتا ہے

ستم یہ ہے کہ وہ پھر آپ میں نہیں رہتا
اثرؔ کبھو جو ترے پاس راہ پاتا ہے

یارب قبول ہووے اتنی دعا تو بارے
دونوں جہان ہارے عاشق پہ جی نہ ہارے

ہر بات پر ہے گالی مونھ پھیر لے کے پیارے
اب ور جواب اتنا ملنے لگا ہے بارے

ہے ایک بار مرنا برحق کسی طرح ہو
جو آپ جی کو مارے پھر کون اس کو مارے

بخت سیہ سے اپنے وہ ماہرو نہ آیا
گزری ہے رات ساری گنتے ہی گنتے تارے

ہم راست گو مسلماں حق ہی تباں کہینگے
تم بندے ہو خدا کے ہم بندے ہیں تمھارے

مر جانا کیا ہے مشکل بت چاہئے اثرؔ تو
یوں جیتے جی دل اپنا میری طرح سے مارے

نہ وہ لطف نے وہ کرم رہ گئے
کہاں سے یہ جور و ستم رہ گئے

جو آئے مثالِ شرار و حباب — جہاں میں یہی ایک دم رہ گئے
ہمارے سبب دل نے اُس سے اثرؔ
کیا ربط یاں تک کہ ہم رہ گئے

کیا جانئے زلف یہ کسو کی — پیاسی کیوں ہے میرے لہو کی
کیجے باتیں یہ آدمیت — یہ کون طرح ہے گفتگو کی
ناصح تو جیب سے اُٹھا ہاتھ — جاگہہ نہیں اس میں اب رفو کی
پایا نہ کہیں نشان اپنا — ہم نے ہر چند جستجو کی
دل اپنا کچھ اثرؔ نہ چاہے
بس ایک یہی تو آرزو کی

خونِ جگر کو پیجئے نالہ و آہ کیجئے — دین و دل اُس کو دیجئے کہنے کو چاہ کیجئے
اور تو کچھ نہ تھا کرم غیر نگاہ سو بھی کم — اب نہیں وہ بھی ہے ستم ٹک تو نگاہ کیجئے
ٹکڑے جگر ہوا ہی سب جائے کدھر یہ ہے غضب — سیلِ سرشک ٹک تو اب اُس کی بھی راہ کیجئے
زیست کا کچھ مزا نہیں چھوٹوں عذاب سے کہیں — قتل بتاں مرے تئیں خواہ مخواہ کیجئے
تم نے جو کچھ ستم سہے کوئی اثرؔ وہ کیا کہے
جی نہ بچے کہ یا رہے اب بھی نباہ کیجئے

مفہوم ممتنع سے عدم میں تو ہاں رہے — کہنے کو آہ ہم تو رہے پر کہاں رہے
جوں برق و شعلہ یہاں رہے جب تک تپاں رہے — بے اضطراب ٹک نہ رہے ہم جہاں رہے

تیرے ہی پاس دل یہ اے بدگماں رہے
یارب کسی طرح تری خاطر نشاں رہے

یہاں ہم سے خاکسار تو مانندِ نقشِ پا
ہر یک قدم پہ آہ اے ہمرہاں رہے

رخصت ملی جو بولنے کی تو زباں نہیں
جب تک رہی زبان تو ہم بے زباں رہے

اتنے کچھ اب سبھوں کی نظر میں سبک ہوئے
جتنے ہم آہ یہاں ترے جی پر گراں رہے

ہم کو یہ ہے یقین کہ اے بدگماں تجھے
جو جو نہ تھا خیال میں وے وے گماں رہے

گر ہم ہی ہم ہیں آہ تو ہم ہم کبھو نہوں
اور تو ہی تو ہے سب کہیں تو ہم کہاں رہے

کب تک رہیں گی آہ یہی آزمائشیں
یارب بس اب تئیں ہم رہیں یا امتحاں رہے

کر لیجے مرتے مرتے اثرؔ نالہ و فغاں
سینے میں سوزِ عشق کہاں تک نہاں رہے

گرچہ غم جی سے لئے ہی جاتا ہے
پہ نہ یہ جی دیئے ہی جاتا ہے

مہربانی تو اونہیں ایک تنک کی
جور سو سو کئے ہی جاتا ہے

وہ ستمگر ہمیشہ مثلِ شراب
خونِ عاشق پئے ہی جاتا ہے

نہ رہا جیب میں تو ایک بھی تار
تس پہ ناصح سئے ہی جاتا ہے

سخت جانی اثرؔ کی دیکھئے آہ
اس ستم پر جئے ہی جاتا ہے

غم کو باغم بہم نہ کیجے
گر غم ہے تو غم کا غم نہ کیجے

یک نیم نگہ ہے سو بھی کاری
کچھ اس میں سے تو کم نہ کیجے

گو ہم ہیں عاشق وفادار — پر اتنا بھی ستم نہ کیجے
بے فائدہ روئیے کہاں تک — اب جی میں ہے چشم نم نہ کیجے
غیروں کے بڑھانے کو میرا وصف — اس طور سے یہ کرم نہ کیجے
گو تیغ اصیل ہیں یہ ابرو — ہر دم اتنا بھی خم نہ کیجے

گر جام مئے اثر لگے ہاتھ
پھر خواہش جام جم نہ کیجے

آشنا جو مزہ کا ہوتا ہے — اپنے حق میں وہ کانٹے بوتا ہے
شیخ جی ایک روز مجکو اثر — لگے کہنے عبث تو روتا ہے
ان بتوں کے لئے خدا نہ کرے — دین و دل یوں کوئی بھی کھوتا ہے
نہ تجھے دن کو چین ہے اک آن — ایک دم رات کو نہ سوتا ہے
میں کہا خوب سن کے اے ناداں — جا نصیحت کو کیوں ڈبوتا ہے

تو ہے ناداں تری بلا جانے
عاشقی میں جو کچھ کہ ہوتا ہے

دل ویران میں تری یاد سے آبادی ہے — ہر گھڑی لاکھ تمنا کھڑی فریادی ہے
یہاں تلک تو ہی ستمگار مرا صاحب طرز — ظلم کی بھی جو طرح دیکھی سو ایجادی ہے
واقعی دیکھئے تو یہاں کے سبھی داموں سے — تیری زلفوں کے گرفتاروں کو آزادی ہے
جی ہی باقی نہ رہا جو یہ کسی بات کو ہو — تیری دولت نہ ہمیں غم ہے نہ کچھ شادی ہے

اثرؔ اُس شوخ کی ہو تیر شکاری پہ ہلاک
صیدِ بے جاں کے لئے در پئے صیّادی ہے

گر آج ترا گزر نہ ہووے
غالب ہے شب بسر نہ ہووے

مر جاؤں میں آہ سے پہ تجکو
تاثیر نہ ہووے پر نہ ہووے

گر دیکھئے یک نگاہ ایدھر
کیا معنی جو کارگر نہ ہووے

ہے سوچ مجھے سبک روی میں
شرمندہ کہیں شرر نہ ہووے

مرنے کی مرے وہ سن کہے گا
میں جانوں یہ بات گر نہ ہووے

ایسا عاشق مرے صد افسوس
اور اُس کی مجھے خبر نہ ہووے

اوروں پہ ستم سمجھ کے کرنا
بیچارہ غریب اثرؔ نہ ہووے

مہر و کیں کچھ تو ہے تحقیق سے کیا کام مجھے
یوں تو ناحق نہیں دے بیٹھے وہ دشنام مجھے

رات دن نظریں بدلتے ہی اُسے گزرے ہے
گردشِ چشم ہوئی گردشِ ایام مجھے

بولئے منہ سے ہی کچھ کھولئے یا آنکھ اودھر
کبھو تو دیجئے یہ پستہ و بادام مجھے

کس قدر آہ مرا جان پکایا تو نیں
گرچہ تجھ سے تو نہ تھی کچھ ہوسِ خام مجھے

یا فرشتہ بھی نہ تھا محرمِ پیغام و سلام
واہ بتلاتے ہو اب بوسہ پہ پیغام مجھے

یار آغاز ہوئے کرنے لگے حسن سلوک
کچھ بخیر اب تو نظر آتا ہے انجام مجھے

آج کی رات اثرؔ صبح تو ہونی معلوم
نہیں کٹتی نظر آتی ہے سرِ شام مجھے

شمع رو تجھ پہ ہم ہلاک ہوئے — مثلِ پروانہ جل کے خاک ہوئے
لے چکے دل تو قصدِ جاں ہے مگر — ٦ پھر شروع اب جفوں کے تپاک ہوئے
(قطعہ)
تیرے ہاتھوں سے اے نسیمِ بہار — سیکڑوں جیبِ دم میں چاک ہوئے
میں جو ہنس ہنس کے ناخوشی پائی — آپ اس پر بھی خشمناک ہوئے

نت اثر سے نئی لڑائی تھی
مر چکا شکر قصے پاک ہوئے

کسو کو مجھ سے نے مجھکو کسو سے کام رہتا ہے — مرے دل میں سوا تیرے خدا کا نام رہتا ہے
کچھ ان روزوں دل اپنا سخت بے آرام رہتا ہے — اسی حالت میں لے کر صبح سے تا شام رہتا ہے
کلیجا پک گیا ہے کیا کہوں اس دل کے ہاتھوں سے — ہمیشہ کچھ نہ کچھ اس میں خیالِ خام رہتا ہے
بیاں میں کیا کروں اُس سے اب آ گئے اپنی ناکامی — ترے یہ طور اور مجھکو تجھی سے کام رہتا ہے

بلا جانے اثر دوران یہ کیدھر چرخ مارے ہے
ہماری بزم میں دن رات دورِ جام رہتا ہے

وحشت زدہ دل تو جوں شرر ہے — اُس کے تئیں آپ سے سفر ہے
تم جور و جفا کرو جو چاہو — ان باتوں پہ کب مجھے نظر ہے
تو آپ ہی خیر آپ شر ہے (مطلع ثانی) — کچھ اور نہ نفع نے ضرر ہے
ہم بے خبروں سے رہ خبردار — اتنی تو بھلا تجھے خبر ہے
گزری جاتی ہے ہر طرح سے — دنیا گزران سر بسر ہے

دل کے خطروں سے بے خطر ہوں — سر سے پانوں تلک خطر ہے
تو نے ہی تو یوں نڈر کیا ہے — بس ایک مجھے ترا ہی ڈر ہے
یوں درد بجان و دل سمایا — ہر نالہ و آہ کارگر ہے
یا حضرتِ عندلیب بخشش — یہ تیرے ہی درد کا اثر ہے
دل تیری طرف ہے نت پر اس کو — معلوم نہیں کہ تو کدھر ہے
یوں آنکھ سے آنکھ میں ملا ہے — اتنا تو مرا دل و جگر ہے

بے درد تو کیونکہ رہ سکے گا
یہ حضرتِ درد کا اثر ہے

داغِ دل جو کبھو دکھائے تھے — لالہ ساں دل میں گل یہ کھائے تھے
ایک تیرا خیال بیٹھ گیا — دل سے خطرے تو سب اٹھائے تھے
اشکِ خونیں نے مونھ یہ کھول دیئے — ورنہ میں زخمِ دل چھپائے تھے
بہ گیا سب میں آپ ہو کے گداز — شمع ساں اشک کیا بہائے تھے
اگلے رونے پہ اب میں روتا ہوں — کیا گہر خاک میں ملائے تھے
یہاں کسو نے نہ کی خریداری — ہم عبث جنسِ دل کو لائے تھے
گر نہ اٹکے یہ آ کے لختِ جگر — اشک میں نُہ فلک ڈبائے تھے
راہ پہ تیری مثلِ نقشِ قدم — دیدۂ منتظر بچھائے تھے
تھا جو منظور سو نہ دیکھا یہاں — ہم اثر کیا سمجھ کے آئے تھے

یوں بھلا بھولنا یہ یاد رہے — غم رہا ہم کو تم تو شاد رہے
واہ غیروں سے اتحاد رہے — اور ہم سے وہی عناد رہے
تجھ سے سب شاد بامراد ہوئے — ہم ہی ناشاد نامراد رہے
دل وہی سب کی میری دل شکنی — بارے اتنا تو اعتماد رہے
آہ بے درد اتنی بے اثری — دوستی کچھ تو کم زیاد رہے

ہے اثر یہ تو لازم و ملزوم
عالم کون میں فساد رہے

ہر طرح اب تو حال مشکل ہے — ہجر کیسا وصال مشکل ہے
نشۂ عشق سہج ہے پینا — لیکن اس کا سنبھال مشکل ہے
زیست میری جو دیکھے — کہ وجود محال مشکل ہے
صلح کل بہت سہج ہے آسان — ساتھ اپنے جدال مشکل ہے
صاحب دید کی زبان ہے لال — شمع کو قیل و قال مشکل ہے

نقص ہو وے اثر کہ خواہ کمال
پورا ہونا کمال مشکل ہے

تیرے کوچہ میں وہ بارہ خوب ہم ہو کر چلے — ڈھونڈنے کو دل کے آئے جان بھی کھو کر چلے
اپنے ہاتھوں آپ اس دار العمل میں نیک و بد — واسطے دار الجزا کے تخم ہم بو کر چلے
درد کا صدقہ اثر ہم بھی بھلا حق کے حضور — شمع ساں اشک ندامت سے خودی دھو کر چلے

گریہ آور ہی آثرؔ صاحب نظر کو یہاں کی دید
شمع و شبنم کی طرح جو آئے سو رو کر چلے

شمع رویوں تو ہم غریبوں کی	تجھ سے کیا پیش رفت چلتی ہے
پر بھلا اتنا دیکھئے تو سہی	بات تقریب پہ نکلتی ہے
شمع پروانہ کو جلاتی ہے	ساتھ پر اُس کے آپ جلتی ہے

جیتے جی تک بہ حسرت و افسوس
سر کو دھنتی ہے ہاتھ ملتی ہے

نت تازہ غم و غصہ نت اشک کی طغیانی	ہر روز نیا دانہ ہر روز نیا پانی
گو چشم بصیرت سے آئینہ بنا ہے دل	لیکن نہ گئی اپنی قسمت کی تو حیرانی

مطالع

ردیف (الف)

عشق تیرے کا دل کو داغ لگا	دیکھ تو بھی نیا یہ باغ لگا

کب تلک بار بار مر جیئے گا	جی میں ہے اب کے بار مر جیئے گا

ہوا کیا وہ ترا اے شرم گیں چھپ چھپ کے رہ جانا
کبھی جو بات کہنا بدنا ہوئی جو بات سہ جا

ہمیشہ وہ بتِ کافر مجھے ستایا کیا
خدا کے واسطے ہر چند میں دلایا کیا

مت ہو جو چشمِ مست کا سرشار دیکھنا
اے دل نہ ہووے ایسا خبردار دیکھنا

اثر

اتنا تو کام کیجئے گا
کام اپنا تمام کیجئے گا

پہلے سو بار ادھر اودھر دیکھا
جب تجھے ڈر کے ایک نظر دیکھا

دل سینے سے یوں نکال لینا
بہتر نہیں یہ وبال لینا

تجھسا مجھے عیّار نہ انسان ملے گا
تجھکو بھی نہ مجھسا کوئی نادان ملے گا

ردیف (ت)

بھلا شکر کرنے لگے پھر شکایت
کرم مہربانی توجّہ عنایت

خود فروشی میں کرے ناز نہ کیوں یار بہت
جنس نایاب ہے اور ہیں گے خریدار بہت

کیا تجھسے کروں آہ میں اظہارِ مصیبت
ہوں دل کے سبب سخت گرفتارِ مصیبت

ردیف (ر)

دم بدم ہی ترا مزاج کچھ اور　　کل جو تھا سو کچھ اور آج کچھ اور

ردیف (م)

نومشق آہ سے تھے رہی ہم کو ہوس تمام　　ہو گئے ایک آہ سر کے بھرتے ہی بس تمام

ردیف (ن)

نپٹ نرگس کی آنکھیں شرم کے مارے لجائی ہیں　　چمن میں اس کو تو نے ظاہرا آنکھیں دکھائی ہیں

آتش عشق کے ہاتھوں میں جلا جاتا ہوں　　آہ شعلہ کی طرح آپ جلا جاتا ہوں

آسودہ جا بجا ترے یہاں خاکسار ہیں　　نقش قدم نہیں ہیں یہ لوح مزار ہیں

اب تیری داد نہ فریاد کیا کرتا ہوں　　رات دن چپکے پڑا یاد کیا کرتا ہوں

دن رات چرخ کس کے پھرے ہے سراغ میں　　اس بات کی کسو کے فلک کو خبر نہیں

کیا کہوں کس طرح سے جیتا ہوں　　غم کو کھاتا ہوں آنسو پیتا ہوں

چوں عکس کہاں مرا ٹھکانا تیرے جلوے سے جلوہ گر ہوں

ردیف (و)

ظاہر ہر وقت یاد اُدھر کی اب رکھتا ہی تو ورنہ آگے بھولے چوکے آ نکلتا تھا کبھو

٭

ہر جا قدم کے رکھتے کرے ہی کشید گی نازاں بایں گماں کہ غبارِ اثرؔ نہ ہو

ردیف (ہ)

نہ کہا جائے کہ دشمن نہ کہا جائے کہ دوست کچھ سمجھ میں نہیں آتا ہی اثرؔ کون ہی وہ

ردیف (ی)

پیارے اس وقت تم تو آہ سنے نہ رہا دل ہی جب کہ میرے کنے

٭

مرگیا پر بتوں سے کچھ نہ بنی اب اثرؔ کی خدا سے خوب بنی

٭

حالت مت پوچھ اب اثرؔ کی کچھ بات رہی نہیں خبر کی

٭

گلزار سب یہ اپنے تو نزدیک خار ہی نظروں میں بس کہ اور ہی باغ و بہار ہی

اور تو سب خواہشوں سے ہو گئی آزادی مجھے   رہ گئی ہے ایک ملنے کی تری شادی مجھے

ممکن نہیں اب عمر بآرام کٹے گی   گو صبح کٹی دیکھیں بھلا شام کٹے گی

جوں صبا کب تک پھروں میں آہ کوچہ میں ترے   اس سرے کا اس سرے اور اس سرے کا اس سرے

جوں عکس پھر جہاں میں کس طرح منہ دکھاوے   اے میرے آئینہ رو جو تیرے ہاں سے جاوے

یہاں غم ہی اب رہے گا بس یا کہ ہم رہیں گے   وے دن گئے کہ یک جا دونوں بہم رہیں گے

ہاتھ سے اپنے بات جاتی ہے   باتوں ہی باتوں رات جاتی ہے

الٹی ہی برگشتہ بختوں کی اثر تاثیر ہے   آہ اپنی اپنے حق میں بازگشتی تیر ہے

کب کب آوے ہے اثر کیوں تجھے ننگ آتا ہے   آنکلتا ہے کبھو جی سے جو تنگ آتا ہے

کیا جانئے پھر تازہ کہاں لاگ لگی ہے   بے طرح مرے سینے میں اک آگ لگی ہے

حقیقت دین و دنیا کی نہ کچھ جانی نہ پہچانی   رہے الجھے اور ہی وائے غفلت وائے نادانی

کام تجھ سے ابھی تو ساقی ہے   کہ ذرا ہم کو ہوش باقی ہے

گر ترے پاس نہیں اس میں بھلا کی ہو جگہ   تو بتا یہ دلِ دیوانہ کہاں رہتا ہے

آتشِ عشق لگائی ہوئی معشوق کی ہے   بن لگے شمع کے پروانہ کوئی جلتا ہے

مرگیا دل اخترؔ اپنا تو سرِ شامِ فراق   شام کے آہ مرے کو کوئی کب تک رو دے

کہے ہے یہاں کبھو کوئی بھی میرا نام لیتا ہے   اخترؔ تو کون ہوتا ہے کہ میرا نام لیتا ہے

دل لیا اپنی خوشی جان بھی لے میری خوشی   پھر مری جان خبر لے کہ نہ لے تیری خوشی

رباعیات

ردیف (الف)

فلک جس کو جب تک جلاتا رہے گا   عجب رنگ یہاں کے دکھاتا رہے گا
اگر جلتے ہم تجھے دل نہ دیتے   کہ دل لے کے تو یوں ستاتا رہے گا

تو ہی اب کہہ صبر کیجئے تا کجا — ظلم پیارے اس قدر بھی کیا بھلا
دامِ الفت میں مجھے پھنسوا دیا — دیدہ و دل واہ تم نے کیا کیا

دام زلفوں نے تری ایسا ہی تیار کیا — دیکھا آزاد جسے اس کو گرفتار کیا
جو کیا خوب کیا اور جو ہوگا سو قبول — تجھ سے کب ہم نے کسی بات کا تکرار کیا

اپنے تو جی سے ترا ڈر نہ گیا — جی گیا یہ نہ گیا پر نہ گیا
آہ کس دن کے لئے یہ رہا — آج کی رات آخر مر نہ گیا

اگر ایسی ہی طرح کوئی دنوں کیجئے گا — خیر معلوم ہوا جی ہی مرا لیجئے گا
گر یہی مدنظر ہے تو تری کیا ہے بساط — دل تو گزران چکے جان بھی دیجئے گا

اس وقت بھی تو نہ رحم کھایا ہوتا — ادھر کا خیال کچھ نہ لایا ہوتا
پھر از سرِ نو تازہ ہوئی خواہشِ دل — اے کاش کہ تو اب بھی نہ آیا ہوتا

اے ہم وطناں یہاں قفس آباد ہوا — وہاں باغ سے آشیاں بھی برباد ہوا
اب جی سے کہیں نکالئے حبِ چمن — بس خیر وطن خانۂ صیاد ہوا

اُس بُت نے یونہیں مفت میں ایمان لیا — بندا اپنا غرض مجھے جان لیا
پھر بارِ دگر نظر کرے اس کی بلا — بس ایک نگاہ میں ہی پہچان لیا

عرصہ اپنا تمام جلتے گزرا — حیرت میں آہ جی نکلتے گزرا
جوں شعلہ بساط میں ہے اپنی افسوس — جو دم گزرا سو ہاتھ ملتے گزرا

جلوے نے ترے مجھی کو بے چین کیا — آرام و قرار ایک میرا ہی لیا
ہے عشق زیادہ حسن سے شہر آشوب — نالوں نے میرے کسو کو سونے نہ دیا

تجھ بن جو اثر کا حال رہتا ہوگا — کب اس کا تجھے خیال رہتا ہوگا
وہ چاہے کہ دل سے غم نکالے سو کہاں — تو دل کی خوشی نکال رہتا ہوگا

ردیف (ب)

اوقات بسر کروں میں کیوں کر یارب — حالات بسر کروں میں کیوں کر یارب
فرصت ہی نہیں خاک بسر کرنے سے — دن رات بسر کروں میں کیوں کر یارب

ہردم ہے اثر مجھے عجب پیچ وتاب
جان کندن سے زیادہ گزرے ہے عذاب
ہرچند کہ ہو حسن بتاں آفتِ جاں
اے عشق خدا کرے ترا خانہ خراب

ردیف (چ)

رہتی ہے شب و روز خلش دل کے بیچ
تعبیر یہی کہ ہے تپش دل کے بیچ
یارب ہے یہ انتظار کس کا در پے
پاتا ہوں مدام ایک کشش دل کے بیچ

ردیف (ر)

بن حال دکھلائے کوئی بنتی ہے اثر
بے بات سنائے کوئی بنتی ہے اثر
اب حالِ دل اس سے کہہ گزرنا مجکو
بن جو کھوں اٹھائے کوئی بنتی ہے اثر

ردیف (ط)

میں تجھ سے کہوں یہ بات ہے قابلِ ضبط
رکھتا نہیں کوئی یہاں کسی سے بھی ربط
عالم میں گمانِ دوستی و یاری
ہے محض اثر خیال اپنا اور خبط

ردیف (ف)

ہیں یاد مجھے تازہ ملاقات کے لطف
لینے آپس میں وہ ہر ایک بات کے لطف
کیا کیا میں کہوں گزشتہ اوقات کے لطف
تھے دن کے جدے لطف جدے رات کے لطف

ردیف (ل)

رہنے کا نہیں کچھ کریں آرام سے دل
چھٹوائیے کیوں محبت ترے دام سے دل
مختار ہے تو اب اسے جو چاہ سو کر
یعنی اپنے تو جا چکا کام سے دل

ردیف (م)

نہ گھر نہ قفس نہ دام رکھتے ہیں ہم
نے نام و نشاں سے کام رکھتے ہیں ہم
بے نام و نشاں ہیں یہ ترے گم شدگاں
عنقا کو اس پہ نام رکھتے ہیں ہم

اے درد ترا درد جا نا معلوم
دل تیرے سوا کہیں لگا نا معلوم
گو خلق از خود آشنا کیتیں آوے ہزار
لیکن اس کا بجوشش آنا معلوم

مجھ ناکارے سے کام ہونا معلوم
اس آوارے سے کام ہونا معلوم
گو جیتا ہوں پہ ہار مانی جی سے
دل کے ہارے سے کام ہونا معلوم

ردیف (ن)

اب ضبط سے تاب چپکے رہنے کی نہیں
طاقت صدمات ہجر سہنے کی نہیں
ایک بات ہے موقوف ترے آنے پر
بن آئے ترے کہوں سو کہنے کی نہیں

میں آتشِ عشق میں تپا کرتا ہوں دن رات اسی غم میں کھپا کرتا ہوں
تو نام نہ لے وے گو کہ میرا پر میں ہر وقت ترا نام جپا کرتا ہوں

گزرے ہے جو کچھ کہ دل پہ کس سے میں کہوں کوئی نہ چڑھا نظر کہ اُس سے میں کہوں
یہ بات ہی ایسی ہے کہ تو کیا پیارے باور نہ کرے اُسے وہ جس سے میں کہوں

ہر آن دلِ تپاں سے مرتا ہوں جوں شعلہ اس زبان سے مرتا ہوں
اے آتشِ عشق کس کا ہجران و وصال میں آپ ہی اپنی جان سے مرتا ہوں

اُس بن دن رات جس طرح بیتے ہیں کیا اُس سے کہیں یہ اُس کے ہی چیتے ہیں
میں بھی تو اثرؔ نہیں ہے کچھ کہنے کا کیا خاک کہیں مر نہ گئے جیتے ہیں

ردیف (و)

اے ہمنفساں عبث نہ فریاد کرو گلگشتِ چمن کدھر ہی مت یاد کرو
اپنے دل کی خوشی تو ہوئی معلوم بارے خوشیِ خاطرِ صیاد کرو

دن رات ہر ایک سے نہ فریاد کرو اس خانہ خراب دل کو آباد کرو
اتنا بھی ان بتوں پہ مت بھولو اثرؔ اپنے اللہ کو تم اب یاد کرو

بیہودہ رہے کہاں تلک یہ تگ و دو — بے چین کرے مجھے مرے دل کی گو
اب تجھ پہ ہووے یا مرے دل کا **اثر** — یا مجھ پہ پڑے تیرے ہی دل کا پرتو

ردیف (ہ)

جوں شعلہ جلے ہے جی رخِ زرد کے ساتھ — ہوں سوختہ جاں دل کے **اثر** درد کے ساتھ
جاڑے کے دنوں کی طرح نت سارے سال — نکلے ہے بھاپ ہر دم سرد کے ساتھ

ردیف (ی)

آئینے کے دیکھ خجل مہر و ماہ ہے — پیارے **اثر** کی اتنی تو بارے نگاہ ہے
عاشق میں اور بوالہوس و بوالفضول میں — افسوس اب تلک بھی تجھے اشتباہ ہے

خدا جانے ترے ہاتھوں مری تقدیر کیا کی ہے — بھلا ظاہر میں تیرا قتل کی تدبیر کیا کی ہے
اثر کو تیری خاطر ہر کوئی چاہے سو کہتا ہے — نہیں معلوم اونے خلق کی تقصیر کیا کی ہے

کب کب تری گلی میں ہم بے قرار آئے — سو بار جی نے چاہا تب ایک بار آئے
ہر چند جی پہ ٹھہری پھر ہم ادھر نہ آویں — آخر نہ رہ سکے پر بے اختیار آئے

مرتو چلے ہیں دل کے ہم اس پیچ و تاب سے	پر موت ہی کہاں کہ چھڑا دے عذاب سے
رو رو کے آہ دل کو ڈبایا تو تھا پہ اب	بہتے ہیں آپ دیدۂ گریاں حباب سے

یہ تجھ بن رات جو گزری ہیں جانوں یا خدا جانے	تجھے تو کب ہوئی ہوگی خبر تیری بلا جانے
وہ جس جس طرح سے عاشق کو روز و شب جلاتا ہے	کب ان طوروں سے یارب شمع پروانہ جلا جانے

تجھ سے ظالم کو یار کیجے	مرنا خیر اختیار کیجے
تارے تو بہر گئے شب ہجر	داغ اپنے شمار کیجے

آوارگی اب تو یہاں تئیں ہے	میں ہوں جو کہیں تو دل کہیں ہے
کیا کیجئے آہ دل کے ہاتھوں	آرام کسو طرح نہیں ہے

اے مژہ آنسو کہاں سوزش سے اپنے دل کی یاں	اشک کے قطروں کی جاگہ اب شرر آنے لگے
شوخ چشمی سے تری دل ہی گیا تھا لیکن اب	کم نگاہی سے تو صدمے جان پر آنے لگے

کرتا ہے جہاں جو کوئی فریاد کسو کی	آ جاتی ہے بے قصد مجھے یاد کسو کی
زلفوں نے تری دام جو ایسا ہی بچھایا	خاطر کوئی تو رہ چکی آزاد کسو کی

دشمنی پر ہے زاہد مرتاض　　کوئی رندوں سے پیش جاتی ہے
زور تھوڑا ہے اور غصہ بہت　　مار کھانے کی یہ نشانی ہے

ٹک دیکھ تو کیا آہ نکلتی ہے جگر سے　　جوں کاغذ آتش زدہ لبریز شرر سے
بندا ہوں میں دل و جاں سے میں ہنر کا اُن کی　　وے لوگ جو کرتے ہیں تجھے رام ہنر سے

سرگشتہ جوں فلک ہوں تری گلی میں دن رات　　جاتا ہوں پھر ادھر ہی پھرتا ہوں اب جدھر سے
مثلِ حباب یکسر چشم پر آب گو ہوں　　گرتا نہیں ہے آنسو پر میری چشم تر سے

کرے جو کچھ کہ ترا منتظر سو کر نہ سکے　　جئے تو جی نہ سکے اور مرے تو مر نہ سکے
وہ کچھ ہے سوزِ جگر اور تپش اثر دل کی　　طبیب نبض پہ میری تو ہاتھ دھر نہ سکے

تجھ بن جو اثر کا حال رہتا ہے　　کب اس کا تجھے خیال رہتا ہے
وہ چاہے کہ دل سے غم نکالے سو کہاں　　تو دل کی خوشی نکال رہتا ہے

ہم ہجر میں آج مر نہ جاویں پیارے　　تو منہ ہی کہاں جو کل دکھاویں پیارے
لیکن ہم شرمسار ہیں ماندوں کو　　ٹک آپ ہی آ کے لیتے جاویں پیارے

جب تجھ سے جدائی میری محبوب بنی تب زیست اثر کی بُری اسلوب بنی
اُس کی بھی خود بخود تم ہی خوب بتاؤ جوں درد تمھاری بخدا خوب بنی

کیوں کر کوئی بیتِ دل آرام رہے اس میں تو کسو کا ہی نہیں کام رہے
تو خانہ خراب اثر شکستہ دل ہے ایسے گھر میں خدا ہی کا نام رہے

ہے درد کا درد اثر کا یارِ جانی یہ بات تو اب زیست گزارے جانی
صد شکر نہیں رہا غمِ تنہائی ہے جان اسی کے ساتھ بارے جانی

کیا تجھ سے کہوں میں کس طرح گزرے ہے کیا دوں میں پتا کہ اس طرح گزرے ہے
بالفرض اگر کہا تو پھر کیا حاصل گزرے ہے خیر جس طرح گزرے ہے

احوالِ تباہ کو دکھاؤں میں کیسے افسانۂ دردِ دل سناؤں میں کیسے
تو دیکھ نہ دیکھ سُن نہ سن جان نہ جان رکھتا ہوں تجھی کو اور لاؤں میں کیسے

نے حالِ تباہ کی اونھیں بینائی نے نالہ و آہ کی اثر شنوائی
کوئی مرتے مرو جیتے جیو بھائیں نہیں اللہ غنی بتوں کی بے پروائی

ظاہر ہے جو کچھ کہ خوب روئی تیری — بے جا نہیں اُس پہ بات کوئی تیری
مشتاق سے اپنے بچ نہ سکتا پیارے — گر ہوتی نہ اتنی تند خوئی تیری

اے تجھکو پھبے ہے جور قرباں تیرے — قرباں تیرے ہیں اور قرباں تیرے
صدقے ہونے سے تیرے سیری معلوم — پھر پھر ہیں ہزار طور قرباں تیرے

صدقے تیرے نام پر یہی بندا ہے — دل دادۂ بے خطر یہی بندا ہے
بے عیب خدا کی ذات ہی ہے پیارے — تقصیر معاف اثرؔ یہی بندا ہے

در پر جو ترے یہ کوچہ گرد آیا ہے — ایسا یہ بڑا کہاں کا مرد آیا ہے
رکھتا ہے اثرؔ سرِ قدم بوس تیرا — اس کا سر عاقبت بدرد آیا ہے

تو پوچھ نہ میں کہوں غرض ہے جو ہے — کہنے کو اثرؔ زندگی اب تک تو ہے
عاشق تو بہت گزر گئے ہیں لیکن — جو حال کسو کا نہ سنا تھا سو ہے

سینے سے ایک آگ ہر زماں نکلے ہے — ہر سانس کے ساتھ جل کے جاں نکلے ہے
کیا تجھ سے کہوں اثرؔ کہ جوں حقّہ کشاں — دم کھینچ کے چھوڑوں تو دھواں نکلے ہے

عاشق جو گداز قلب سے گلتا ہے — گلزار خلیل پھولتا پھلتا ہے
جوں شمع دل سوختہ جانان عشق — روشن رہتا ہے جب تلک جلتا ہے

وعدے کی تمام رات روتے گزری — ہر دم جل جل کے جان کھوتے گزری
بس اور تو کیا کہوں کہ جوں شمع سحر — روشن ہی جو کچھ کہ صبح ہوتے گزری

شعلے کی طرح ہاتھ ہی ملتے گزری — ہر گام رہ فنا میں چلتے گزری
اے آتش عشق تیری دولت ہم کو — جوں شمع تمام عمر جلتے گزری

تو اوروں کے چاہنے کے دے ہے طعنے — میں اور کو چاہتا ہوں چھٹ تجھ یعنے
اس کہنے میں تیرے کچھ نکلتی ہے بات — ٹک اپنے ہی جی سے پوچھ اس کے معنے

کیا تجھ سے کہوں نپٹ اڑی ہے ساری — جتنی باقی رہی کڑی ہے ساری
تجھ بن ایک پل گزارنی مشکل ہے — اب عمر گزارنی پڑی ہے ساری

اے مرشد دستگیر قرباں تیرے — اے میرے زندہ پیر قرباں تیرے
تیری ہر بات پہ دل و جاں ہے فدا — یا حضرت خواجہ میر قرباں تیرے

یا درد یا اثر آثرؔ تیرا ہے
اے سرّ پدر یہ بے پدر تیرا ہے
اللہ کریم اور تو کریم ابنِ کریم
یہ گو کہ گنہگار ہے پر تیرا ہے

مجکو تو صرف آسرا تیرا ہے
میں تیرا ہوں اور تو میرا ہے
یک گوشۂ چشم ہی کفایت ہے مجھے
تیرا تھوڑا بھی فضل بہتیرا ہے

کیا کہئے جہالتِ طبیعت اپنی
ہے حد سے زیادہ رسم و ملّت اپنی
ہر چند آثرؔ خاک سمجھتا ہوں میں
معلوم ہوئی ہی نہ حقیقت اپنی

تمت